ما بنو زیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

مجموعۂ نظم بے نظیر

یعنی

...س العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی دامت فیوضہم

کی

اردو۔ عربی نظموں کا مجموعہ باجازت حضرت مصنف ممدوح

خاکسار سید **افتخار عالم** مارہروی نے مرتب کیا

بحسن و خوبی کاٹن پریس اٹیہ میں طبع ہوا

قیمت علاوہ محصول ڈاک .. ایک روپیہ

وکیل نسواں

یعنی

جواز تعلیم نسواں کے عقلی و نقلی دلائل اور علمی اور دل نشین تدابیر جسکو سلیکٹ کمیٹی تعلیم نسواں متعلقہ محمڈن اینگلو اورینٹیل ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ نے دسمبر ۱۸۹۹ء میں اول نمبر پر بانعام دس اشرفی انتخاب کیا۔

قیمت فی مجلد آٹھ آنے

محمڈن کالج ہسٹری

یعنی

تاریخ مدرستہ العلوم مسلمانان علی گڑھ

مدرستہ العلوم مسلمانان واقع علی گڑھ کی یہ ایک ایسی جامع تاریخ ہی کہ دیکھی نہ سنی۔ کالج میں جتنی عمارتیں ہیں اُن سب کے نقشے موقع موقع پر چسپاں کئے گئے ہیں۔ اِس تاریخ میں ابتدا سے کوئی ۲۵ برس کے مکمل حالات نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں جس شخص کو کتاب میں [illegible] کالج کے گزشتہ حالات و واقعات ملاحظہ کرنے ہوں وہ اِس کو دیکھے۔ اور اپنی معلومات وسیع کرے۔ قیمت تیس روپے کی جگہ اب صرف ایک روپیہ بارہ آنے ہی۔

المشتہر

سید افتخار عالم مارہرہ ضلع ایٹہ ممالک متحدہ آگرہ واودھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک جلسے میں جناب شمس العلماء مولٰنا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی کے لٹریچر نثر کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ حاضرین جلسہ جناب ممدوح کی بذلہ سنجیوں کو بیان کر کے لطف صحبت میں گرمی پیدا کر رہے تھے کہ اتنے میں خاکسار افتخار بھی پہنچا اور یاران جلسہ کے احباب [illegible]نا ممدوح کے دو چار لطیفے بیان کیے۔ ایک نے کہا کہ "اس وقت مولٰنا کی کوئی ع[illegible] منگائیے۔ اُن کی مصنفات کی ہر سطر ایک لطیفہ ہے اور ہر لطیفے میں ایک نصیحت ہے اور ہر نصیحت میں گلستاں کا مزہ آتا ہے" اور لوگوں نے بھی اس کی تائید کی۔ شائقین کو جب میں نے ہمہ تن اشتیاق دیکھا تو کتاب منگانی پڑی۔ منگائی تھی "توبۃ النصوح" لانے والا مجموعہ لکچر اٹھا لایا۔ اور تمکین کے حوالے کیا۔ تمکین اگرچہ نوجوان تھے مگر پرانے خیال کے جس طرح نئے عمدہ خیالات کی نثر کو وہ ناپسند کرتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ نئی شاعری کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ بھی شاعر تھے مگر ایشیائی[^۱] کمال کے۔ حسن اتفاق کہ لانے والے نے انھیں کو مجموعہ لکچر دے دیا۔ انھوں نے اس کو کھولا

[^۱]: وہ شاعر جن کا مبالغہ جھوٹ سے زیادہ بڑھ گیا ہو اور صرف گل و بلبل اور وصال و ہجر ہی کو مضمون شعر سمجھتے ہوں ۱۲

مگر پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ مشغلے کے طور پر ورق گردانی کے لیے۔ ورق گردانی کر
کرتے ایک جگہ اُن کا ہاتھ رُکا تو یہ نظم نکلی ؎

نچا مارا ہے یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اِس اختلافِ دین و مذہب کو

چپکے چپکے اِس کے دو تین شعر پڑھے تو دل میں مزہ پیدا ہوا۔ پہلا تنفر مجرم غلام کی ط
دماغ سے نکل کر الگ کونے میں جا کھڑا ہوا۔ شوق و الفت اور دلچسپی نے ا
دل و دماغ مکین کو سرفراز ا چشم انصاف کھُل گئی عقل پر جو پردہ تعصب پڑا تھا
پڑھتے پڑھتے زبان سبحان اللہ و ماشاء اللہ و جزاک اللہ کہنے لگی۔ بے مجھے
تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ مَیں کس کی زبان سے ایسے الفاظ سن رہا ہوں۔ کل تک یہ بند
اِن نئے خیالات والوں کے جہاں اور عقائد سے متنفر تھا وہاں اُن کے لٹریچر نظم و
مٹی پلید کیا کرتا تھا یا آج اِس کی زبان سے نعوذ باللہ اور استغفر اللہ کی جگہ سبح
سُن رہا ہوں۔ یہ عالم دیکھ کر مَیں نے کہا کہ حضرت کتاب ہے مجھے مرحمت فرمایئے
بلند آواز سے پڑھیے کہ سامعین بھی سنیں۔ مکین نے بے تکلف پڑھنا شروع
لی کا چٹخارا دیئے ہوئے۔ آدمی تھے خوش گلو تو نظم اور سونے میں سہاگا ہو گئی۔ ن
گئی تو شوخیٔ کلام پر لوگ اُچھل اُچھل پڑے۔ خوبیٔ بندش پر لوگوں کے دل شگف
لطافت معنوی نے دماغ کو منور کر دیا۔

ایک نظم کے بعد دوسری نظم پڑھی جا رہی تھی۔ سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے
جگہ خاموش بیٹھا ہوا استعجاب کے عالم میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

مولانا مجھے معاف فرمائیں گے اگر مَیں یہ کہوں کہ اِس جلسے کے قبل میرے
میں مولانا کی نظموں کی اتنی زیادہ وقعت نہ تھی جتنی کہ نثر کی۔ مگر اِسی کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ
نظموں کو کبھی اِس خیال سے پڑھا بھی نہ تھا کہ اُن کی حسن و خوبی کو دیکھو۔ اب اِس جلسے کے منظر نے گیر دلمیں اگر

ن نے بہ نظرِ غائر مولنا کے ہر شعر کو پڑھا تو بے ساختہ زبان سے اِنّ مِن الشعر لسحرا[١]
جگہ کل شعرٍ سحرٌ نکلا۔

جلسہ ختم ہوتے ہی ایک نے فرمائش کی کہ فلاں نظم مجھکو نقل کر دیجیے۔ دوسرے نے کہا کہ مجھے مسدس کی ضرورت ہی۔ تیسرے نے کہا کہ یہ بیچارے کہاں تک نقلیں ں گے لکچروں کی جلدیں ہی کیوں نہ منگوا لو۔ فرمائشیں سنتے ہی میرے دل میں بجلی کی یہ خیال چمکا کہ تمام متفرق نظموں کو مجموعۂ نظمِ بے نظیر کے نام سے چھپوا دو۔ لوگ ن کے ہاتھوں سے خریدیں گے اور ذوق دل سے پڑھیں گے۔ نظموں میں جو کچھ فتیں ہیں لوگ اُس کو پند پیرانا سمجھ کر اپنا معمول بنائیں گے۔ لیکن ان نظموں کا چھپنا مصنف ممدوح دام فیوضہم کی اجازت کے مشکل تھا۔ آخر ادب سے اجازت مانگی تو مولنا شفقت و مہربانی سے استدعا قبول فرمائی۔

ارادہ تو یہ تھا کہ مولنا کی سوانح عمری حیاۃ النذیر میں جہاں شاعری کا تذکرہ کیا جائے کلام منظوم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے۔ مگر حسنِ اتفاق سے حصۂ نظم سوانح عمری سے ہو رہا ہی اِس لیے مناسب ہی کہ مولنا کی شاعری کے متعلق جو کچھ ریمارک ہوں وہ یہیں حیاۃ النذیر میں اگر ضرورت ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ یا مجموعۂ نظمِ بے نظیر کا حوالہ دیا جائے گا۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہی کہ نفسِ شاعری کے متعلق جناب مولنا رح کے جو کچھ خیالات ہیں اول اُن کو اقتباس کیا جائے تاکہ ناظرین کو رائے قائم کا کافی موقع ملے۔

چنانچہ مولنا فرماتے ہیں۔

(فن زباں دانی ہر زمانے میں ہر سرزمین میں ہر دل عزیز رہا ہی۔ اب بھی ہی اور آئندہ بھی رہے گا۔ لیکن ہر دل عزیز ہونا اور چیز ہی اور قوم اور ملک کے حق میں مفید

---

[١] اصل میں۔ ان من البیان لسحرا ہی۔ اشعار کے لحاظ سے بیان کی جگہ شعر استعمال کیا گیا ١٢

ہونا اور چیز۔ بے شک ایسی مثالیں بھی ہیں کہ بعض اوقات شاعروں کو ایک ایک قصیدے پر لاکھ لاکھ روپیہ ملا ہے۔ مگر یہ شخصی فائدے تھے اور وہ بھی شاذ و نادر اور اتفاقی۔ ان گئے گزرے وقتوں میں بھی ۱۸۵۷ء کے غدر کے پہلے تک دلّی میں اب سے ایسے شاعر موجود تھے کہ ہر شخص اپنی طرز کا استاد تھا۔ مگر بے چارے محتاج مفلس۔ تنگی معاش کی وجہ سے پریشان اور جتنے نامی اور مستند شعرا متقدمین و متاخرین ہندی اور عجمی ہو گزرے ہیں سبھی کے کلام سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ شاعروں کو گویا کسی فقیر کی بد دعا ہے کہ ہمیشہ تنگ دست رہیں۔ ہمارے ملک میں کلب حسین خان ایک شاعر تھے ان کے شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ فن شعر گوئی نحس ہے
شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

خیر بد دعا تو کیا ہوگی مگر اس کا سبب یہ ہے کہ شاعری کی ایسی بُری چاٹ ہے کہ آدمی کو دنیا اور دین دونوں جہان کے کاموں سے معطل کر دیتی ہے۔ ناچار شاعروں کو امیروں کا بھاٹ بننا پڑتا ہے جو ایک طرح کی گداگری ہے۔ غرض خود شاعروں کے ذاتی فائدے کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو شعر و سخن امیروں کے پیٹ بھرے کا مشغلہ تھا۔ اب نہ پہلے سے امیر رہے نہ اگلی سی فراغتیں ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ کس توقع پر کوئی خونِ جگر کھائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے کوئی نیا شاعر بڑے نام و نمود کا سننے میں نہیں آیا۔ لکھنؤ والوں میں کسی قدر گد گدی ہے سو وہ بھی یوماً فیوماً گھٹتی چلی جا رہی ہے۔ کہ پرانی تعلیم سے معاش میں مدد نہیں ملتی وہ آپ ہی آپ اس سے دست کش ہوتے جاتے ہیں......

میں پرانے علوم کے سلسلے میں یہ بات بیان کر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کسی طرف کوئی نیا شاعر بڑے نام و نمود کا سننے میں نہیں آیا ہمارے لٹریچر (علم ادب یا انشا پردازی) کی ترقی مسدود ہو گئی۔ آپ صاحبوں میں سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ میں لٹریچر کا نوحہ پڑھ رہا ہوں۔ نہیں نہیں۔ میں تو اِس خیال کا آدمی ہوں کہ علوم قدیمہ کو مسلمانوں کی ترقی کا سدِ راہ جانتا ہوں۔ اور علوم قدیمہ میں سے بھی خاص کر لٹریچر کا سخت مخالف ہوں۔ مسلمانوں میں ایرائے نیشن ([illegible]) بحیثیت قومی جتنی خرابیاں ہیں کل تو نہیں اکثر اِسی لٹریچر سے پیدا ہوئی ہیں۔ لٹریچر جھوٹ اور خوشامد سکھاتا۔ یہ لٹریچر واقعات اور موجودات کی اصلی خوبی کو دباتا اور مٹاتا۔ یہ لٹریچر متوہمات اور مفروضات بے اصل کو فیکٹس (واقعات) بناتا۔ یہ لٹریچر نالائق ولولوں کو شورش دلاتا۔ اگر کسی نے اِس زہر کو چکھا ہے تو میں نے پیا ہے۔ اگر کسی نے اِس سانپ کو کھلایا ہے تو میں نے اپنے تئیں اِس سے کٹوایا ہے۔ اگرچہ بڑی عمر میں میں نے بوڑھے طوطوں کی طرح آپ ہی آپ تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھ لی تھی۔ لیکن میری طبیعت میں ایشیائی تعلیم کا رنگ رچ چکا تھا۔ انگریزی پڑھنے سے اتنا تو ہوا کہ مجھکو اپنے ہاں کے لٹریچر کے عیوب معلوم ہونے لگے۔ مگر میں وہی کا وہی رہا۔ اب بھی اگر کوئی برجستہ شعر سن پاتا ہوں چاہے اُس میں کتنا ہی مبالغہ خلافِ قیاس کیوں نہ ہو بے اختیار پھڑک اُٹھتا ہوں۔ یہ ساری کمینت بلا فارسی کی پھیلائی ہوئی ہے۔ خیالات اور مضامین کے اعتبار سے تمام دنیا کے لٹریچروں میں اِس زبان کے لٹریچر سے بدتر اور کوئی لٹریچر نہیں۔ اِس نے قومی مذاق کو ایسا بگاڑا اور اِس قدر تباہ کیا کہ ہم لوگوں کو واقعات

میں مزہ نہیں ملتا ۔"

(۲) ...... مَیں نے ساری عمر شعر گوئی کو اپنا شغلہ نہیں بنایا ۔ یہاں تک کہ ہنوز اپنا کوئی تخلص بھی نہیں رکھا اور طبیعت کے موزوں ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی شعر موزوں کر لیا ہو تو اس کی قسم بھی نہیں کھاتا ۔ مگر اتنا کرنے سے میں شاعر نہیں ہو گیا ۔ اور نہ مَیں شاعر ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں ۔ اور شاعر نہیں اور شاعری کا دعویٰ نہیں تو مدح کی توقع کیوں ہو ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

مدح و ستائش نہ سہی تاہم یہ فائدہ کیا کم ہے کہ مجھ جیسے اناڑی عطائی کی وجہ سے خواجہ الطاف حسین حالی جیسے کلاونت کی حق قدرہ قدر کی جائے گی ۔ ولبضدھا تتبین الاشیاء ۔"

(۳) شاعری ہمیشہ اسلام کی نظر میں مبغوض رہی ہے اور وہ ہے بھی اسی قابل ۔ مَیں بھی اس کو سخت ناپسند کرتا ہوں نہ اس لئے کہ اس کو اپنے لئے دون مرتبت سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ اس کی چاٹ سریش کی طرح چمٹ جاتی ہے ع چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی ۔ اسی نے تو قومی مذاق کا ستیاناس کیا ہے ۔ پھر بھی جس طرح کڑوی دوا شربت اور خمیرے کے ساتھ دی جاتی ہے رنگوں کو نصیحت بھی نظم کے پیرائے میں کرنی پڑتی ہے اور نوجوان لوگوں کے حق میں تو مَیں شاعری کو سمِ قاتل سمجھتا ہوں ۔ اس پر بھی فرمائشوں سے مجبور ہوں ۔

(۴) جو کیفیت اُن بزرگ کی تھی کہ مریدوں کے بھرے میں آ کر نفلیں بڑھاتے

؎ ۔ چیزوں کا حال مقابلے سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲

پیچھے جاتے تھے وہی کیفیت میری ہے مگر افسوس صد افسوس عبادت میں نہیں بلکہ شعر کہنے میں کہ میری اتنی عمر ہونے آئی میں نے کبھی شاعری کا شوق نہیں کیا اور شاعری کا شوق کیا ہوتا تو میں نوکری کر سکتا نہ کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کر سکتا اور نہ کلام مجید کا ترجمہ کر سکتا۔ اور نہ لکچر دے سکتا.... نہ میرا کوئی تخلص ہے اور نہ مجھکو اس لایعنی شغلے کے لئے کبھی فرصت ملی اور صاف بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کی شاعری کا مذاق ایسا بگڑا ہے کہ جہاں قومی تنزل کے اور اسباب ہیں اُن میں میرے نزدیک ایک بڑا سبب یہ کم بخت ایشیائی شاعری بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے وقتوں میں مولوی حالی نے نظمی مذاق کی بہت کچھ اصلاح کی ہے۔ مگر اب بھی میں نوجوان لڑکوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ اور میں نہیں دیکھنا چاہتا کہ اُن میں شاعری کا مذاق پیدا کیا جائے۔ اِن کو شاعری کی چاٹ لگی اور اُنھوں نے جان صاحب کا دیوان خریدا اور جان صاحب کا دیوان ہاتھ میں لیا اور خود جان صاحب ہوئے وہ جان صاحب جن کی نسبت فرمایا ہے۔

وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ [۵۱]

یہ لوگ جو خلاف اخلاق شاعری کرتے ہیں۔ جو دین کا استخفاف کرتے ہیں۔ جو بزرگان دین کی ہنسی اُڑاتے ہیں پورے پورے مصداق ہیں اِس آیت کے "لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ [۵۲]..... اب لاؤ اس شاعری کے بیان کو ختم کریں۔ تو غرض یہ

۵۱۔ اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا گرم پانی سے ۱۲

۵۲۔ (اِن کے کہنے کا ضروری) نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) سارے بوجھ اور جن

ہے کہ جس طرح وہ شب زندہ دار بزرگ مریدوں کے بھرے میں آکر ہزار پانسو
نفلیں پڑھنے لگے تھے میں بھی لوگوں کے کہنے میں آکر شعر کہنے لگا مگر جیسی
اُن کی نفلیں ہوتی ہوں گی ویسے ہی میرے شعر ہوتے ہیں "

(۵) شاعری جس سے زیادہ موثر کوئی عمل نہیں ایشیائی ملکوں میں مدتوں سے
ایسی بُری طرح سے اس کا استعمال کیا جارہا ہے کہ جہاں تک میں خیال کرتا
ہوں اثر بحر کی خرابی کو ایشیائی قوموں کے تنزل میں بڑا دخل ہے۔ جھوٹ
اور مبالغے اور بے اصل خیالی باتوں پر تو اس کی بنیاد ہے اور مضامین جن میں
شعراطبع آزمائی کرتے ہیں اکثر گندے تو ایسی شاعری قومی اخلاق کو بگاڑا ہی
چاہے...... حاصل کلام یہ کہ شاعری یعنی ایشیائی طور کی شاعری شرعاً
مذموم ہے اُس نے قوم کے اخلاق پر بہت ہی بُرا اثر کیا ہے اور جب شاعری ایسی
بدبلا ہے کہ مستمع کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے تو خود شاعر جو مبدا ان تمام خیالات
فاسد کا ہے اس کے اثر بد سے کب محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس محل پر شاعروں
کے دوسرے عیوب کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں شاعر میں کم سے کم
عُجب اور خود پسندی کا عیب تو ضرور ہی پیدا ہو جاتا ہے ۔ وہ اپنے
ہم پیشیوں کا حسد کرنے لگتا ہے جس کو ام الذمائم کہنا چاہئے اور جس کی
نسبت حدیث شریف میں ہے الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار
الحطب ۔ اور اگر توقع کی قدر اس کو داد یا صلہ نہ ملے تو وہ ہجو سے
لوگوں کی دل آزاری کرتا ہے "

بقیہ صفحہ ۷ نمبر۲۔ لوگوں کو بے سمجھے بوجھے گمراہ کرتے ہیں اُن کے دگنا ہوں گے، بوجھ بھی انھیں کو اٹھانے پڑیں گے
دیکھو تو کیسا بُرا بوجھ یہ لوگ اپنے اوپر لادے چلے جارہے ہیں ۱۲

۹۱ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو ۱۲

(۶) ایشیائی شاعروں کے وصل و ہجر۔ گل و بلبل۔ شوق و انتظار جہاں اور معمولی مضامین ہیں اُن میں سے ناصح یا شیخ یا زاہد کو بُرا کہنا اور آسمان کو الاہنا دینا بھی ہے۔ شیخ و زاہد کو بُرا کہنا دین کے ساتھ استہزا کرنا ہے اور آسمان کو الاہنا دینا وعید لاتسبوا الدہر میں داخل ہے ؎

از آسمان و زمین شکوہ می کنی شب و روز

چہ وادہ بہ زمیں ز آسمان چہ می خواہی

(۷) اگرچہ مولوی حالیؔ نے نظم کا رنگ بدل دیا ہے اور شاعری اگلی گندگی اور بیہودگی سے بہت کچھ پاک ہوگئی ہے لیکن اُٹھتی جوانی اور شاعری کا مذاق۔ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس عمر میں اس مذاق کا آدمی ایشیائی شاعری کے زہر آلود اثر سے محفوظ رہ سکے گا۔ اس کو شاعری کے مشق کے لئے یہی لٹریچر پیش نظر رکھنا پڑے گا جو دین کا عدو اور اخلاق کا دشمن ہے"۔

غرض جس شاعر کے ایسے خیالات ہوں اُس کے اشعار میں گل و بلبل کی کہانی یا شیریں فرہاد کا قصہ۔ یا وصال کی مسرت یا ہجر کا جھینکنا کوئی کیوں کر دکھا سکتا ہے۔ یہ تو یہ وہاں تو کوئی جھوٹے استعارات کو بھی اشارۃً کنایۃً بندھا ہوا نہیں دکھا سکتا۔ اور نہ کسی کو لغو اور بیہودہ تشبیہات کی کوئی مثال ڈھونڈے مل سکتی ہے نہ وہاں اُن معشوقوں کی جلوہ گری نظر آئے گی جن کے دہن نہیں دہن ہے تو کمر نہیں اور اگر بالفرض والمحال ہے بھی تو بال سے زیادہ باریک۔ نہ اُن میں زلف سیاہ کا وہ سلسلہ نامتناہی نظر پڑے گا جس کا سرا نہ اس دنیا میں ہے نہ اُس عالم میں۔ نہ وہاں استخفاف دین ہی ہے نہ استہزائے بزرگان۔ نہ معاملہ بندیاں ہیں نہ بھتے۔ نہ چیستیاں ہیں نہ پھبتیاں اور یہی وجہ ہے کہ مصنف ممدوح

الشعراء یتبعھم الغاوٗن - الم تر انھم فی کل واد یھیموٗن - وانھم یقولون ما لا یفعلون
کے احکام کی فہرست سے خارج ہیں بلکہ جناب کا نام نامی الشعراء
تلامیذ الرحمٰن کے رجسٹر میں داخل ہے - آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا
کہ مولانا نے شاعری پر ریمارک کرتے ہوئے جابجا اِس امر کا اقبال کیا ہے
کہ نہ میں شاعر نہ مجھے شاعری کا دعویٰ - نہ میرا کوئی تخلص اور نہ اِس لایعنی مشغلے
کے لئے کبھی مجھے فرصت ملی - اِن فقروں کو دیکھ کر بعض نادان اور ناسمجھ
یہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ مولانا شاعر نہیں بلکہ ناظم ہیں - اور اس کی تائید میں ایک
بات یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اُن کی نظموں میں کوئی غزل نہیں اور جب غزل
نہیں تو شاعر نہیں - گویا معترض کے نزدیک صرف وہی شاعر ہو سکتا ہے جو
غزل گو ہو اور غزل میں بھی سخن ہائے ناگفتنی ہو - اور اُس نے کوئی اپنا تخلص بھی
مقرر کر رکھا ہو - پس مولانا کی طرف سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

اور میری طرف سے اس کا یہ جواب ہے کہ اگر شاعر کے یہی معنی ہیں تو پکارے
کہتا ہوں کہ مولانا ہرگز شاعر نہیں - مولانا ہرگز شاعر نہیں - اور اگر شاعر کی یہ تعریف
کی جائے کہ وہ صادق البیان ہو - اُس کی نظم کا سوز آہ و بکا پیدا کرے - دل
میں اُس کے اشعار کا اثر بیٹھ جائے - اشعار کا جذب دل کو پکڑ کر کھینچ لے
اور دل میں درد پیدا کرے - اُن میں جو نصیحت ہو کارگر ہو - واقعات نفس الامری
اُن سے معلوم ہوں - احساسات شعری مشاہدات کا کام دیں تو کس کی مجال
ہے کہ مولانا کو زمرۂ شعراء سے خارج کرنے کی جرأت کر سکتا ہے - میرے نزدیک
تو جس شاعر کے کلام میں جھوٹا ہجر اور جھوٹا وصل - جھوٹی مے اور جھوٹا مینا -

جھوٹا عاشق اور جھوٹا معشوق۔ جھوٹا گل جھوٹا بلبل۔ جھوٹی بہار اور جھوٹی خزاں۔ جھوٹا کرشمہ اور جھوٹا حسن۔ جھوٹا جنون اور جھوٹا سودا۔ جھوٹی شوخی اور جھوٹی عیاری۔ بیہودہ جھوٹ اور بیہودہ مبالغے کے خس و خاشاک کے انبار اور غیر مفید مزخرفات مضامین ہوں وہ بھی شاعری ہے اور وہ بھی شاعری جس کے کلام میں راست گوئی کے ساتھ نصیحت پر حکمت الٰہی اور مسائل عرفاں اور موعظت اور ترغیب نیک اور واقعات اور قصص بزرگان دین وغیرہ ہوں۔ لیکن ان دونوں قسموں کے شاعروں میں سے ایک قسم ملک اور قوم اور مذہب اور لٹریچر اور تمام باتوں کے لئے از حد مفید ہے جیسے ہمارے مولانا اور دوسری قسم کا شاعر ملک اور قوم اور مذہب اور لٹریچر اور تمام باتوں کے لئے نامفید بلکہ مضر ہے جیسے سوپر نیچرل شاعر۔

پس مولانا ممدوح کی شاعری چوں کہ مبالغے جھوٹ اور دور از قیاس استعاروں اور گندے خیالوں اور لغو قیاسوں اور فتنہ انگیز شور شوں سے پاک ہے اس لئے وہ ضرور اس قابل ہے کہ ہر کہ ومہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ باپ اپنے بیٹے کو سنائے اور بیٹا باپ کو۔ بڑوں سے سن کر چھوٹے فائدہ اٹھائیں اور چھوٹوں سے بڑے۔

اب رہی یہ بات کہ مولانا کی نظمیں شاعری کے شکنجے میں بھی ٹھیک کسی ہوئی ہیں یا نہیں۔ زبان کے لحاظ سے وہ ٹکسالی اور رکھ اسکے ہی باز زر ملتبس۔ اُن کی طرز بندش ہیں فصاحت و بلاغت کے موتیوں کی لڑیاں ہیں یا گنگ جمن ہیں اس کا جواب تو بہت کچھ دے سکتا تھا مگر اس وقت صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

بیا و ریدہ گر ایں جا بود زبان دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

خلاصہ یہ کہ مولانا ممدوح کی نظموں پر اگر انصاف سے نظر ڈالی جائے تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اون کے اشعار میں اخلاقی لطافت کے دریا نہیں بہتے اور اُن کا سارا کلام بحر مکارم اخلاق میں ڈوبا ہوا نہیں ہے۔ میرے نزدیک مولانا کی نظموں کو اگر ایک گل دستہ فرض کیا جائے تو اس میں اخلاق کے پھول کھلے ہوئے نظر آئیں گے۔ رنگارنگ کے نصائح پڑے جھلک رہے ہوں گے اور تہذیب کی خوشبو دماغ کو معطر کر رہی ہوگی۔

چہ خیزد از سخنے کز درون جاں نبود
بریدہ باد زبانے کہ خون چکاں نبود

اس مجموعہ کا نام نظم بے نظیر اس لئے رکھا گیا کہ مولانا نے میرٹھ کانفرنس میں ایک نظم پڑھی تھی وہ سید کو ایسی بھائی کہ انھوں نے اُسے اپنے خرچ اور لاگت سے چھپوا کر اس کا نام نظم بے نظیر رکھا تھا۔ ہم نے بھی تقلیداً وہی نام پسند کیا۔

سید افتخار عالم بلگرامی ثم المارہروی

اپریل ۱۹۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نثر میں تو مولنا نے مشہور و معروف حمدیں لکھی ہیں۔ اور وہ ایسی ہیں کہ اُن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ مگر مجموعہ نظم بے نظیر ہیں۔ وہ درج نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ وہ نظم میں نہیں ہیں بہر حال اس مجموعہ کی ترتیب کے وقت مجھے خیال ہوا کہ اس کی ابتدا حمد و نعت سے اگر نہ ہوئی تو صرف ادب ہی کے خلاف نہو گا بلکہ ایک قسم کی گستاخی بھی ہوگی۔ فرمایش کرنے کی جرأت ہوتی تو مولنا سے عرض کرتا کہ تبرکاً ہی کچھ نظم حمد و نعت میں تصنیف فرما دیجئے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ میری عرض سے بہت عرصے پہلے مولنا اس سعادت دارین کو حاصل کر چکے ہیں جو ذیل میں مندرج ہی۔ ہم کو یہ نعمتیں مولنا کی بالکل ابتدائی تصنیف میں ملی ہیں۔ حمد و نعت اور مناجات خود اپنی زبان سے کہ رہی ہی کہ ہمارے اشعار گہر بار کو مولنا کی تمام نظموں پر اولیت کا فخر حاصل ہی۔ ناظرین صدق دل سے پڑھیں گے تو مفت میں ثواب آخرت حاصل کریں گے۔ وھو ہذا

حمد و نعت

۱

تعریف خدا کو ہی مسلم	پیدا کیا جس نے کن سے عالم
دی نطق کی آدمی کو قوت	بخشا اس کو شرف کا خلعت
مہر و مہ و آسمان و انجم	حیوان و پری و دیو و مردم

دریا و زمین و کوہ و صحرا — باغ و گل و سبزۂ مُطرا

سب کا ہے وہی بنانے والا — ما اعظم شانہٗ تعالےٰ

انساں سے ہو حمد اُس کی کیا خاک — احمدؐ نے کہا ہی ما عرفناک

احمدؐ وہ نبی صاحب شاں — نازل ہوا جس کے حق میں قرآں

قرآں سے کیا جہاں مسخّر — تھا شور فصاحت اُس کا گھر گھر

اُمّی نے کتاب پڑھ سنائی — بولا تو عرب نے چپ لگائی

گویا و فصیح سب کے سب تھے — پر سامنے اُس کے بستہ لب تھے

گو رفعتِ کرسی فلک تھی — معراج میں پاس کی اک اُچک تھی

کیا رتبہ ہو کیا بلندیِ شان — ماں باپ ہوں سب کے اُن پہ قربان

مناجات

(۲)

یہ تمنا ہی ربِ اکرم سے — غسلِ میت ہو میرا زمزم سے

تبھی ٹھنڈک ہو میرے سینے میں — خاک ہو جاؤں میں مدینے میں

جل کے ہم سایہ رسولِ خدا ئے — زندگی ہو مری جو موت آجائے

اور کچھ چارۂ گناہ نہیں — آپ کے ور سوا پناہ نہیں

آپ سے گر نہ التجا لاؤں — پھر کدھر جاؤں اور کہاں جاؤں

یہی ماویٰ ہی اور یہی مأمن — میرے دو ہاتھ آپ کا دامن

کون پرساں ہی مجھ سے ناکس کا — کس کو طوفاں میں پاس ہو خس کا

اور خس بھی جیسی ناقابل — بے ہنر ہیچ کارہ لاطائل

عارِ آبا ء اولیں ہوں میں — داغِ پیشانیٔ زمیں ہوں میں

کیا کروں ایسے قلب فاسد کو | کون لے گا متاع کاسد کو
دل ہی یا معصیت کا پشتارا | ایک پونجی ہی وہ بھی ناکارا
گر تری مہر کی نظر ہو جائے | یہ خزف روکش گہر ہو جائے
تم اگر چشم لطف وا کر دو | مس کو چاہو تو کیمیا کر دو
حق نے بخشی ہی تم کو وہ تاثیر | خاک چھو جائے تم سے ہو اکسیر
آہن تیرہ وہ جِلایا جائے | آفتاب اُس کے سامنے شرمائے
تم بچا لو عذاب آتش سے | سخت عاجز ہوں نفس سرکش سے
یہ بلا ہی یہ نفس امارہ | اس نے مجھ کو ہلاک کر مارا
[۵۱] یَا رَسُوْلَ الْاِلٰہِ خُذْ بِیَدِیْ | مَا لِعَجْزِیْ سِوَاکَ مُسْتَنَدِیْ
یَا لِمَنْ اَشْکَلَتْ مُصِیْبَتُہٗ | وَ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ
کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا | اور چپ بھی رہا نہیں جاتا
کب تلک حُبِّ جاہ و مال و منال | کب تلک پائے بست اہل و عیال
میں سدا فکر میں ہوں ان سب کے | اور یہ سب اپنے اپنے مطلب کے
دیں پہ رکھتا انھیں مقدم ہوں | میں ہوں یا ہیزم جہنم ہوں
ہو اسی طرح گر حیات تمام | ای بدا آخر ای بدا انجام
ازبرائے خدا رسول جلیل | مجھ پہ طاری ہو حالتِ تبتیل[۵۲]
رخ دل ہر طرف سے موڑوں میں | رشتہ الفت کا سب سے توڑوں میں

۵۱۔ اے خدا کے بھیجے میری دستگیری کر کہ میری ناتوانی و مجبوری کے سبب کوئی تیرے سوا میرا تکیہ گاہ نہیں۔ ہائے وہ جس کی مصیبت کٹھن ہو اور جس کو گناہ نے گھیر رکھا ہو ۱۲

۵۲۔ انابت الی اللہ یعنی ہر طرف سے دل کا ملول ہو کر ایک خدا کی لو لگی رہنا ۱۲

اپنی ہستی سے میں گزر جاؤں
یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤں

تیری خدمت میں شافعِ امت
عرض حاجت کی کچھ نہیں حاجت

قرب میں چاہتا ہوں حضرت کا
میں نہیں خواستگار جنت کا

حور و غلماں مجھے نہیں درکار
آرزومند اُن کے ہوں ابرار

میں کہاں اور کہاں ہوائے[٥١] بہشت
نازکی زیبدم بہ طلعتِ زشت

میں نے بھر پائے سارے حور و قصور
اتنا کہہ دیجئے معاف قصور

تم کو سب اختیار حاصل ہے
آپ کو سہل مجھ کو مشکل ہے

ق

میں ہوں مسموم آپ ہیں تریاق
قابلیت نہ کوئی استحقاق

ہاں مگر مجھ غریب پر یا شاہ
رحم فرماؤ حسبۃً للہ

رحم کیجئے کہ آپ رحمت ہیں
آپ پشت و پناہِ امت ہیں

گو بُرا ہوں بُرے سے بدتر ہوں
آپ کا اُمتی مقرر ہوں

نیک بندے بھی کل نہیں ہوتے
خار ہم دوش گل نہیں ہوتے

مجھکو کامل وثوق ہے تم پر
تم سے حق نے کہا ہے لاتنہر[٥٣]

رحمتِ حیلہ[٥٤] جو کی ہیں گھاتیں
ہم سمجھتے ہیں بھید کی باتیں

---

٥١ - اشارہ ہے مقام موتوا قبل ان تموتوا کی طرف ١٢

٥٢ - اشارہ ہے آیت قرآن کی طرف وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین - یعنی ہم نے تم کو صرف اس غرض سے بھیجا کہ اہل جہاں پر رحمت ہو ١٢

٥٣ - آیت کا ٹکڑا ہے پوری آیت یوں ہے واما السائل فلا تنہر یعنی سوال کرنے والے کو جھڑکو مت یعنی سائل کی دلجوئی لازم ہے نہ زجر و توبیخ ١٢

٥٤ - یعنی خدا کی رحمت جو بندوں کی بخشایش کے لئے بہانہ ڈھونڈھتی ہے یہ اس کی گھاتیں ہیں کہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا اور پھر آپ سے فرمایا کہ سائل کو جھڑکو مت اس کے یہ معنی کہ خدا نے سب بندوں کو مغفرت کا امیدوار کیا ١٢

یہ بھی[۵۱] تھی اک طرح کی بے صبری
ورنہ میں ہوں عقیدۂ جبری[۵۲]

ورے کے کچھ اختیار تھوڑا سا
کیا یہ اٹکا دیا ہی روڑا سا

جب کہ دل ہی نہیں ہی قابو کا
لگے اِس اختیار کو ٹوکا

عقل سے کر کے میرا منہ کالا
کس مصیبت میں مجھکو لا ڈالا

ق

جانتے تھے کہ ہیں ظلوم[۵۳] وجہول
پھر امانت[۵۴] کا سونپنا۔ معقول

پائے[۵۵] گنجے نے ناخن حکاک
کرلیا سر کھجا کھجا کاواک

نہ گلہ ہی نہ کچھ شکایت ہی
اپنے حالات کی حکایت ہی

میں کہاں سے کہاں کو جا نکلا
توبہ توبہ یہ منہ سے کیا نکلا

ق

نفس کی یہ بھی اک خدیعت[۵۶] ہی
خارج از شیوۂ شریعت ہی

ڈھونڈھنا اپنے واسطے حیلے
دوڑنا کوئی میرا منہ کیلے

وہ مثل ہی کہ ایک تو چوری
اور پھر اُس کے ساتھ سرزوری

گرچہ بندہ ہی سخت بے چارہ
نہیں بے اعتراف کے چارہ

اُس کے الطاف بے نہایت ہیں
ہم ہی سرکش بہ حد غایت ہیں

۵۱۔ یعنی میں نے جو اِس قدر اپنی بے قراری ظاہر کی یہ ایک بے صبری کی بات تھی کیونکہ میرا عقیدہ تو یہ ہی کہ انسان مجبور ہی اور ہوتا وہی ہی جو خدا کو منظور ہی ۱۲

۵۲۔ جبری ایک فرقہ ہی جو قائل ہی کہ انسان مجبور محض ہی مذہب سنت وجماعت میں الجبر والقدر ہی ۱۲

۵۳۔ اشارہ ہی آیت انا عرضنا الامانۃ کی طرف جس میں حمل امانت پر انسان کو ظلوم وجہول کا خطاب عطا ہوا ہی ۱۲

۵۴۔ امانت سے مراد عقل ہی جو نیک و بد میں امتیاز کرتی ہی اور اس وجہ سے انسان مکلف ہوا ۱۲

۵۵۔ یعنی گنجے کو ناخن دیئے اُس نے کھجا کھجا کر سر میں گڑھے ڈال لئے تو اِس کا کیا قصور کیونکہ اُس کو کھجلی نے کھجانے پر مجبور کیا ۱۲

۵۶۔ فریب ۱۲

آپ کی شرع میں نے توڑی ہی
جو سزا کیجیے وہ تھوڑی ہی

میری عادت ہی نا سزا کردن
شوق سے مجکو ماریے گردن

کیا کہوں بار بار کیا کہنا
مجکو اعمال سے نہیں لہنا[1]

جملہ سامان یاس و غم کا ہی
صرف اک آسرا کرم کا ہی

یہ ضلالت[2] ہی یا ہدایت ہی
بے سبب تکیہ بر عنایت ہی

ہو نہ ہو اِس[3] طرح کی ستاری
ہی تباشیر[3] صبح غفاری

ق

صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں
زیادہ ابرام[4] سے بھی ڈرتا ہوں

مخلصی بخشئے خرابی سے
کہیں کہہ[5] ونتیجے شتابی سے

ہم نے کی سب معاف بے ادبی
سَبَقَتْ[6] رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِی

ذیل کی نظم جناب مولانا نے محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے سالانہ جلسے منعقدہ علی گڑھ میں ۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۹ء کو اپنے لکچر کے ساتھ پڑھی تھی۔ اور یہ اُس سلسلے کی پہلی نظم ہی جو مولانا کے لکچروں کے ساتھ ساتھ شروع ہوا ہی۔

ف۱۔ یعنی اعمال سے فائدہ اُٹھانا میری قسمت میں نہیں ۱۲

ف۲۔ یعنی ضلالت یا ہدایت جو چاہے سو ہو بے سبب مجکو عنایت پر بھروسا ہی ۱۲

ف۳۔ مطلب یہ کہ اس طرح کی پردہ پوشی کہ بندے گناہ کرتے ہیں اور اُن کا پردہ فاش نہیں ہوتا خواہی نخواہی صبح مغفرت کے طلوع کے آثار ہیں اور انجام کار مغفرت ہی ۱۲

ف۳۔ سپیدۂ صبح۔ اول سحر ۱۲

ف۴۔ لگ لپٹ کرما نگنا ۱۲

ف۵۔ اِس کا مقولہ آخر کا شعر ہی ۱۲

ف۶۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ یہ ایک قول مشہور ہی خدا کی وسیع الرحمتی کے بیان میں اُسی کی زبان سے ۱۲

(٣)

مُہر خاموشی تھی مدت سے مرے مُنھ پر لگی — ہر برس لکچر کے دینے کی یہ کیسی کر[١] لگی

سید احمد خاں کی خاطر ہے وگرنہ میں کہاں — اور کہاں یہ بھیڑ جو ہے اندر اور باہر لگی

پھر خدا جانے ملے کب موقعِ اظہارِ حال — بات اب کوئی نہ رکھوائے[٢] دلِ مضطر لگی

رحم کر یارب کہ اب اُمت ترے محبوب[٣] کی — اس کی حالت دم بدم ہونے بہت ابتر لگی

نسلِ شاہانِ سلف عبرت کی جا ہے دوستو — بھیک کے ٹکڑے نکل کر مانگنے در در لگی

کیا نپٹ سکتے ہیں بے امدادِ غیبی یہ غریب — مفلسی کی جن کو ایسی بھاری اک ٹکر لگی

علم ہے بالخاصہ گرچہ علاجِ دردِ قوم — لیکن اس میں بھی تمول کی ہے اک پخ لگی

کچھ نہ ہو تو بھی کتابوں کی تو قیمت چاہیے — اُس سے پہلے فیس جو اکثر سے ہے اکثر[٤] لگی

پڑھ چکا مفلس کہ جوں لی ہاتھ میں اُس نے کتاب — قل ہو اللہ[٥] پڑھنے آنتڑی پیٹ کی از بر لگی

علم سے دولت ہے اور دولت سے ہے سب علم و فضل — کشتیٔ تقدیر کھانے دُور کے چکر لگی

مندرجہ ذیل نظم مولانا نے جلسہ افتتاح مدرسہ طبیہ دہلی منعقدہ ٢٣ - جون ١٨٨٩ع میں پڑھی تھی۔ اس جلسے میں جس اعلیٰ درجے کے لوگ شریک تھے اُن کی وقعت ذیل کے اسمائے گرامی سے معلوم ہوگی۔ جناب مسٹر آر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی۔ جناب آنرایبل سر سید احمد خانصاحب۔ جناب جلال الدولہ نواب محمد ممتاز علی خان صاحب

١۔ کر کہتے ہیں خراج کو مراد یہ ہے کہ لکچر کا دینا کر کی طرح لازم ہو گیا ١٢

٢۔ بات کو لگا رکھنا یعنی اُٹھا رکھنا ١٢

٣۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم ١٢

٤۔ زیادہ سے زیادہ ١٢

٥۔ خالی پیٹ میں جو قراقر ہو اُس کو آنتڑی کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ١٢

بہادر مستقل جنگ رئیس دوجانہ ۔ جناب صاحب عالم مرزا سلیمان شاہ صاحب بہادر گورگانی
نواب محمد اسحق خان صاحب جنٹ مجسٹریٹ اٹاوہ ۔ جناب ڈپٹی ہادی حسین خان صاحب آنریری
اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و رئیس دہلی ۔ جناب مولوی حشمت اللہ خان صاحب ڈپٹی کلکٹر میرٹھ
جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب رئیس علی گڑھ ۔ نواب رضا علی خان صاحب رئیس
رام پور ۔ نواب احمد علی خان صاحب رئیس رام پور ۔ شاہزادہ والا گوہر صاحب اکسٹرا
اسسٹنٹ کمشنر بہادر ۔ ملا اسمعیل صاحب تحصیلدار منڈالے (برہما) وغیرہ ۔

غرض مولانا نے اپنی نظم اس تمہید سے شروع کی تھی " آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان
کی اسپیچ (تقریر) اگزاسٹو (جامع) اسپیچ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اور کچھ کہنے کی ضرورت باقی
ہے ۔ مگر حکیم عبد المجید خان صاحب اور چند دوسرے صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ میں بھی
کچھ کہوں ۔ پس میں پہلے تھوڑی نظم پڑھوں گا اور پھر جو کچھ کہنا ہے کہوں گا "

(۴)

بات سناتے ہیں تمھیں اک نئی ۔۔۔ قوم کے مٹنے کے ہیں لچھن کئی
جب ہوئی قوم اپنی نظر میں ذلیل ۔۔۔ اس کو بھی مٹنے ہی کی سمجھو دلیل
چارہ کار اس کا کوئی کیا کرے ۔۔۔ آپ وہ اپنے تئیں رسوا کرے
اپنی بد اندیش وہ خود ہو مگر ۔۔۔ عیب نماید ہنرش در نظر
سمجھے وہ نقصان کمالات کو ۔۔۔ آگ لگے ایسے خیالات کو
یاں بھی کم و بیش یہی حال ہے ۔۔۔ عاقبت زشتی اعمال ہے
جن ہنروں پر تھا ہمیں افتخار ۔۔۔ اب ہیں وہی موجب صد گونہ عار
علم ہمارا ہے تتمہ جہل سے ۔۔۔ اوپر بھی کچھ ہونا ہے نا اہل سے
دوسرے لوگوں کی شکایت نہیں ۔۔۔ ہم کو ہی خود اپنی رعایت نہیں

جب ہو طبیعت کو روایت سے منافی
ہم بھی کبھی باسر و سامان تھے
ہم کو بھی آرام کا احساس تھا
ہم نے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر
اوڑھتے تھے ہم بھی کبھی سر پہ تاج
ملک لیے سلطنتیں زیر کیں
علم میں بھی ہم کو تھی وہ دستگاہ
لوگ تھے شاگرد ہم استاد تھے
سر میں ہمارے بھی کبھی عقل تھی
پر نہیں رہتا کوئی یکساں سدا
آ گئے ہم لوگ بھی اِس پھیر میں
ہم کو ذرا بھی نہیں اِس کا ملال
رنج تو اپنوں کی شماتت کا ہے
غیر تو کرتے ہیں فقط بدکلام
غیروں کی باتیں ہیں سفوات اللسان (بیہودہ باتیں)
بھائی ہیں اور رابطہ باہم نہیں
لڑنے کو گھر سے بغلی زور ہیں
بنتے ہیں کہنے کے لئے خیرخواہ
اِن کے جو دیکھے ہیں نمونے برے
ایسا بھی ہوتا ہے کوئی بے وفا
اُن کی ہر اک بات سے رکھیے خلاف

اُس کے لئے سم ہے دواخانہ سانی
ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے
یُسر و غنا رکھتے تھے زر پاس تھا
ہم نے بھی پہنا ہے سمور و حریر
ہم نے بھی لوگوں سے لئے ہیں خراج
خیر سے کتنی صدیاں زیر کیں
ہم تھے مشاہیر فضیلت پناہ
سارے زمانے کے ہنر یاد تھے
باقی اسی اصل کی سب نقل تھی
سب کو تغیر ہے بغیر از خدا
کوئی سویرے ہے کوئی دیر میں
سب کو تنزل ہے سبھی کو زوال
ظلم بھی ظلم اہل قرابت کا ہے
اپنے ہیں مصداق الدّ الخصام (سخت جھگڑالو)
اپنوں کے طعنے کجرح اللسان (برچھے کا زخم)
اخوتِ یوسف سے یہ کچھ کم نہیں
گھر کے یہ بھیدی ہیں مگر چیرہ ہیں
اِن کی شرارت سے خدا کی پناہ
پہلے سے ہم ہو گئے دو تلے برے
ق
اپنے بزرگوں سے یہاں تک خفا
کہیے تو ہیں سلف صاف صاف

یاں وطن واہل وطن سے ہی تنگ — اپنے میں لیتے نہیں اہل فرنگ
اب بھی اگر عقل میں ہی کچھ صلاح — مان لو یہ بے غرضانہ صلاح
دست نگر غیروں کے ہر کار میں — کیسا کساد آگیا بازار میں
اپنی ہر اک چیز سے بیزاریاں — ہائے وہ کیا ہوگئیں خودداریاں

ذیل کی نظم مولنٰا نے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء کو بمقام علی گڑھ پڑھی تھی - مولنٰا نے اول کھڑے ہوتے ہی عربی کا یہ شعر پڑھا ؎

اَیَا اَھلَ النُّھیٰ لَاتُنکِرُونِی[ف۱] — مَتیٰ اَضَعُ العِمَامَۃَ تَعرِفُونِی[ف۲]

اور سردی کی وجہ سے جو گلو بند لپیٹ رکھا تھا کھول کر کہنا شروع کیا کہ امسال کانفرنس کا کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہی - میں اس کو داہنی آنکھ سے دیکھتا ہوں تو مٹی ایچر آف محمڈنزم یعنی نمونۂ اسلام دکھائی دیتا ہی اور بائیں آنکھ سے دیکھتا ہوں تو مٹی ایچر آف ہنڈوازم یعنی نمونہ مذہب ہنود سوجھ پڑتا ہی - اور مٹی ایچر آف محمڈنزم ہی اس لئے کہ ممبروں کی اکثر کرسیاں خالی ہیں جیسے مسلمانوں کی مسجدیں - اور وہ مٹی ایچر آف ہندوازم ہی اس واسطے کہ اتنے ہندے نہیں جتنے خدا ہیں - یعنی اتنے سننے والے نہیں جتنے اسپیکرز (گفتگو کرنے والے) ہیں

میں لکچر سے پہلے تبرکاً اپنی نظم پڑھ لیا کرتا ہوں اگرچہ وہ نظم بودی پھسپھسی اور نام بوطی سی ہوتی ہی - اس واسطے کہ میں کچھ شاعر تو ہوں نہیں مگر نظم سے طبیعت میں جولانی اور گویائی میں روانی آجاتی ہی - علاوہ بریں جس طرح یحییٰ پیغمبر حضرت عیسےٰ کے لئے منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھ سے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہی

ف۱ - اصحاب خرد مجکو اجنبی مت سمجھو ۱۲

ف۲ - جب میں عمامہ اُتاروں گا تو مجھے پہچان لوگے ۱۲

اِسی طرح نظم پڑھنے سے میں منادی کرتا ہوں کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھیں گے اور میں اپنی پندار میں اِن کی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہوں ع وبضدھا تتبین الاشیاء وہ نظم یہہ ہے۔

(۵)

مجمع تعلیم کا گو یہ چھٹا اجلاس ہے
ہم مسلماں اور وہی نکبت وہی افلاس ہے

منزل مقصود تک اپنی رسائی ہو چکی
یاں تو پہلے ہی قدم پر پانوں میں آماس ہے

لالہ بھائی گوئی ڈپٹی ہوں کوئی صدر الصدور
اُن کو کیا جن کے مقدر میں لکھی چپراس ہے

امتحانوں میں ہیں انگریزی کے جتنے کامیاب
یا کوئی پرشاد ہے یا چند ہے یا داس ہے

شاذ اگر کوئی مسلماں ہے تو اِس کا کیا حساب
جوں ہمالہ میں کہیں اک ریزہ الماس ہے

کیا چمن کا حکم رکھیگا وہ میدانِ فراخ
جس میں اک غنچہ ہے باقی گھاس کتا گھاس ہے

گر کسی کو ہو مسلمانوں سے امید فلاح
ہم پکارے کہتے ہیں ہم کو تو کُلّی یاس ہے

جب تلک مذہب ہے ہر اک بات میں اُن کی دخیل
جب تلک اسلام یہہ ہے جو کہ عند الناس ہے

جب تلک اِن پر مسلط ہے بلاے رسم وراہ
جب تلک اِن پر مؤثر وہم اور وسواس ہے

جب تلک ہے حاکمانِ وقت سے اِن کو گریز
گویا یہہ ہندو ہیں انگریزی گو کا ماس ہے

جب تلک اسلاف پر اِن کو ہے اپنے فخر وناز
جب تلک اِن کے دماغوں میں بھر الخناس ہے

جب تلک نفسی[1] وبدالی ہے ہر اک کا شعار
جب تلک ہر اک کو اپنی ہی غرض کا پاس ہے

زید کو پروائے درد ومحنت خالد نہیں
اور نہ خالد کو کسی کے رنج کا احساس ہے

جب تلک یہہ لوگ ہیں جف[2] القلم کے معتقد
یعنی جو ہونا ہے سب مکتوب[3] فی القرطاس ہے

ا؎ میرے ہی نفس کے لئے ہے ۱۲

۲؎ یہہ اشارہ طرف جف القلم بما ہو کائن ۔ یعنی قلم کو جو کچھ لکھنا تھا لکھکر خشک ہوگیا ۱۲

۳؎ صحیفۂ اعمال میں مندرج ہے ۱۲

جب تلک یہ ہیں بزرگوں کی لکیر وکے فقیر
ختم اِن پر ہو گئے جتنے تھے سب فضل و کمال
اِن سے بڑھکر کیا کوئی سمجھے گا کس کو اتنی عقل؟
جب تلک لوگوں کے ہیں اغراض ایسے مختلف
نام کو اک قوم ہیں جس سے کہ یہ مفہوم ہو
ایک معبود ایک پیغمبر ہے اور اک ہے قرآن
پر نگاہِ غور سے دیکھو تو کل افراد ہیں
بھائیوں کا گوشت تھوڑا ہے کہ اس کو بھوک ہے
جب تلک القصہ یہ حالت مسلمانوں کی ہے
کارسازی کو تری اسباب کی حاجت نہیں
ہم وہی ہیں اور وہی حالت وہی لیل و نہار
وہ جو بیماری تھی اب بھی ہے ذرا خفت نہیں
ہاں مگر بچ جائے تیرے فضل سے تو کیا عجیب

اُن کا فرمانا علی العینین فوق الراس ہے[1]
اِن کے آگے بولنا ہذیان ہے بکواس ہے
وہ جو کچھ گزرے وہی اصل اور وہی مقیاس ہے
یہ اگر پنجاب ہے تو دوسرا مدراس ہے
اک گروہ صاحبِ قوت شدید الناس ہے[2]
سورۃ الحمد سے تا سورۃ الناس ہے
وحشت و نفرت بجائے حب و استیناس ہے
خون کا لوگوں میں تھوڑا ہے کہ اس کو پیاس ہے
بس خدا ہی سے ہے اِن کی آس گرچہ آس ہے
وہ جو ہم سے دور ہے قدرت ترے پاس ہے
آتش ویسی ہے وہی اگلا پرانا کاس ہے[3]
یہ مریضِ جاں بلب مہمان چند انفاس ہے
یہ دوا ایسے مریضوں کو سدا سے راس ہے

منہ. حسبِ ذیل نظم مولانا نے مدرسہ طبیہ دہلی کے تیسرے سالانہ جلسے منعقدہ ۱۵۔ جون ۱۸۹۲ء کو پڑھی۔

ف۱۔ آنکھوں اور سر پر ۱۲
ف۲۔ جماعت کثیرہ ۱۲
ف۳۔ اشارہ ہے مصرع آتش در کاسہ کی طرف ۱۲

(۶)

ہاتف نے آج مجھکو جگا کر علی الصباح ۔ آواز دی کہ اتنا بھی بیگانہ خو نہ ہو
طیبہ مدرسے میں ہے اک ازدحامِ خلق ۔ ایسا نہ ہو کہ آج کے جلسے میں تو نہ ہو
اُٹھ چل خدا کے واسطے اور دیر مت لگا ۔ لوگوں کو زحمتِ طلب و جستجو نہ ہو
میں نے کہا کہ خیر۔ مگر اس سے فائدہ ۔ قسمت کا چاک تا بقیامت رفو نہ ہو
تو چاہتا ہے سیر مجھے وردِ جام سے ۔ اور یاں سبو بھی قطرہ ہی گرتا گلو نہ ہو
ضبطِ معظمات کو درکار ہے دماغ ۔ یہ مغزِ تخم خربزہ تخم کدو نہ ہو
دولت مدارِ رونقِ باغِ جہان ہے ۔ زر ہو۔ بلا سے رنگ نہ ہو گل میں بو نہ ہو
دنیا میں مفلسی مرضِ لاعلاج ہے ۔ اس طرح کے مریض کو صحت کبھو نہ ہو
مجھکو بنا گیا ہے وہ مایوس دل۔ جسے ۔ احساس شادمانی لاتقنطوا[ف۱] نہ ہو
دیکھے ہیں اِس نے کتنے کھیل بگڑتے ہوئے بچشم ۔ کیونکر یقین ہو کہ یہ پھر جافزدہ ہو
جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال ۔ اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

مندرجہ ذیل نظم مولانا نے آٹھویں ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دہلی ماہ دسمبر میں پڑھی تھی۔

(۷)

مسلمانو۔ اگر تم میں ہے کچھ فکر رسا باقی ۔ تو بول اُٹھو کہ ہے اسلام کے مٹنے میں کیا باقی
شجاعت تھی تو وہ ہم سے گئی گزری ہوئی بالکل ۔ نہ اب وہ ملک گیری ہے نہ وہ حرب[ف۲] وغزا باقی

ف۱۔ اشارہ ہے طرف آیت لاتقنطوا من رحمۃ اللہ کی طرف یعنی خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو ۱۲
ف۲۔ جنگ ۱۲

نہ ہمت ہے نہ جرأت ہے نہ چستی ہے نہ چالاکی
نہ خوئے حمیت اُٹھانے کی نہ زورِ دست و پا باقی

ق

خدا جانے وہ کیسی سلطنت تھی کیا تھی کیونکر تھی
کہ تاریخی کتابوں میں ہے جس کا تذکرہ باقی

یہ ٹوٹی پھوٹی گنتی کی ریاست ہائے اسلامی
جنھیں روئے زمیں پر دیکھتے ہو جابجا باقی

مگر اُس سطوتِ کبریٰ کی چندیں یادگاریں ہیں
مسافر جا چکا لیکن ہے اُس کا نقشِ پا باقی

عروسِ دہر زالِ زشت منظر ہو گئی ایسی
کہ جس میں دل ربائی کی نہیں کوئی ادا باقی

وہ بوٹا سا قدِ رعنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا
خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گئی پشتِ دوتا باقی

تغیر آگیا نقش و نگارِ حسن میں یکسر
نہ وہ رنگِ حنا قائم نہ چشمِ سرمہ سا باقی

ملا دی خاک میں پیری نے سب رونق جوانی کی
نہ رنگت میں ضیا باقی نہ چہرے میں صفا باقی

کہاں کی قوم کیسی خیر خواہی کس کی ہمدردی
کہ لوگوں میں نہیں ہے اب تو پاسِ اقربا باقی

کچھ ایسی اجنبیت اِن دونوں میں آکے پھیلی ہے
نہیں گویا کہیں کوئی کسی کا آشنا باقی

جما رکھا ہے آزادی نے وہ سکہ کہ لوگوں میں
نہ قانونِ ادب نافذ نہ آئینِ حیا باقی

وہی طرزوں میں ہے طرزِ پسندیدہ جو رہ جائے
بروئے شیوہ[1] دع[2] ما کدر خذ ما صفا باقی

قطعہ

یہ معیارِ لیاقت ہے خدا شرمائے ہم سب کو
کہیں ہے بھی اگر علم و ہنر تھوڑا ذرا باقی

کہ دار العلم دہلی میں فضیلت اس کو کہتے ہیں
کہ میری طرح کے چند اور ہیں حرف آشنا باقی

مسلماں ہیں مگر صرف از برائے نام کہنے کو
کہ جیسے ذات کا ہے امتیاز و تفرقہ باقی

وگرنہ دین داری بس حقیقت اس کی اتنی ہے
کہ ہم جیسے گنہ گاروں کا ہے پردہ ڈھکا باقی

یہ سارے کھیل ہیں دنیا میں دولت کے تمول کے
مرا بہتر ہے وہ جس کے نہیں پلے ٹکا باقی

ہماری قوم کو افلاس نے اس طرح گھیرا ہے
کہ فی صد ایک کچھ خوش ہے تو محتاج و گدا باقی

قطعہ

کسی کے کام آئیں یا کسی کو نفع پہنچائیں
جو ہوتے آج کو ایسے نفوسِ اولیا باقی

۱ - شانِ عظیم ۱۲

۲ - اچھے کو اختیار کرنا بُرے کو چھوڑنا۔ ۱۲

تو کیوں اکثر مسلمانوں کی یوں حالت ردی ہوتی
کہ گھر میں سر پہ بی بی کے نہیں ثابت ردا باقی

مسلمانوں کو ایسا تنگ پکڑا ہی زمانے نے
نہ مرنے کی گنجایش نہ جینے کی جگہ باقی

اسی کو ہم بڑی دولت بڑی حشمت سمجھتے ہیں
کہ مسجد میں ابھی ہی بوریا ٹوٹا پھٹا باقی

لئے جاتے ہیں ہم سب کو گھسیٹے فقر نکبت میں
اب ایسے رہ گئے ہیں مولوی اور پیشوا باقی

پڑھاتے ہیں سبق تحصیل حاصل زہد کا جیباں
ہزاروں میں نہیں ہی ایک میں شیر و غنا باقی

لڑے مرتے ہیں ادنیٰ بات پر انجام جو کچھ ہو
مزاجوں میں نہیں برداشت کا مطلق پتا باقی

زمین و آسماں کو اپنا دشمن کر لیا لڑ کر
ہر اک کے ساتھ ہی کوئی نہ کوئی خرخشہ باقی

غرض دنیا و دیں کے سب فضائل منتزع ہو کر
رہا ہی اک تعصب نامناسب ناروا باقی

وہ بیمارِ قریب مرگ ہی اسلام وا ویلا
مسیحا کو نہیں ہی جس کی امید شفا باقی

ق

مسیحا کون سر سید پکارے سب میں کہتا ہوں
صد و سی سال اس کو اور رکھیو اے خدا باقی

بھلا ہی یا بُرا یہ جانے اور اس کا خدا جانے
مگر ہی کوئی اس کی شان کا اس کے سوا باقی

عقائد میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا
قیامت کو بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی

یہی اک فرد اکمل ہی کہ جس کو دیکھکر جانا
ہماری ناؤ کا بارے ہی اب تک ناخدا باقی

جزاک اللہ خیرا قوم کی اصلاح نیت چاہیں
دقیقہ ایک بھی تو نے نہیں رکھا اٹھا باقی

خدا نے تجھکو پہنچایا ہی اُن اعلیٰ مراتب پر
فزوں تر جن سے اب کوئی نہیں ہی مرتبہ باقی

طریق مختصر یہ گر ترے القاب یکجا ہوں
تو مشکل ہی کہ ابجد میں رہے حرف ہجا باقی

مگر معلوم ہی تجھکو مسرت کچھ نہیں اس کی
کہ تو ہی دردمند قوم اور تیرا اگلہ باقی

محالِ عقل ہی تجھکو ہو اس دنیائے فانی میں
سوائے قوم کوئی آرزو یا التجا باقی

نہ ہو بے دل اور اپنی سعی سے کئے جا صرف ہمت سے
کہ سب کے سر پر اب تو ہی ہی اک بوڑھا بڑا باقی

اگر انعام کی تجھکو توقع ہو تو یاد رکھ
خدا کے پاس ہی تیری جزا تیرا صلہ باقی

تجھے روئے کی سر پر ہاتھ رکھکر قوم بدقسمت
اور اس کو دیکھ لے گا جو کوئی جیتا رہا باقی

نہ ہوویں کارگر لاکھ تدبیریں تو کیا پروا
ابھی سب سے بڑی بھاری ہے تدبیر دعا باقی

تصور میں پکڑ کر اپنے نانا جان کا دامن
خدا سے عرض کر یا قاضی الحاجات یا باقی

تباہی چھا رہی ہے تیرے پیغمبر کی امت پر
بجز تیرے کرم کے اب نہیں کچھ آسرا باقی

مسلمانوں کو ہمت قرن اولیٰ کی عطا فرما
وقار و عزت اسلام تا روز جزا باقی

ذرا ٹھیر اے طبیعت کس بلا کی تیزی آمد ہے
کوئی حد بھی ہے اس باقی کی آخر تا کجا باقی

یہ جو کچھ سُن چکے ہو اب تلک تمہید مطلب تھی
ابھی ہے نشتر میں کہنے کو اصل مدعا باقی

ویل کی نظم بھی مولانا نے اجلاس ہشتم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۸۹۳ء میں بمقام علی گڑھ پڑھی تھی۔

(۸)

پھر آخر ہوا سال خورشید خاور
کہ ہو چکنے پر آیا ماہ دسمبر

لگا روز آہستہ آہستہ بڑھنے
بندھا ہے تنزل ترقی کا چکر

مسلمانوں پر صادق آئے تو جانیں
کہ ہے یہ بھی اک رسم دنیا مقرر

اچھل آئے ڈوبے ہوئے کتنے بیڑے
سنبھل جاتے ہیں لوگ کھا کھا کے ٹھوکر

ہم ان اپنی آنکھوں سے دیکھا کیے ہیں
ہلالوں کو بنتے ہوئے بدر انور

ہوئے ہیں بہت دانۂ بے حقیقت
بزور طبیعت درخت تناور

ولیکن بظاہر توقع نہیں ہے
کہ اسلام کو ہو بحالی مکرر

اگر ہو تو سمجھو کہ جی اٹھے مردے
اگر ہو تو جانو ہوئے موم پتھر

تو سمجھو ہوا خرق عادت محقق
تو جانو لگا بہنے الٹا سمندر

گئے دن کہ اسلام سے کانپتے تھے
زمان و زمیں بید کی طرح تھر تھر

بت و برہمن کی زبان پر تھا جاری — دم نعرۂ ذکر اللہ اکبر
جدھر رخ کیا سلطنت زیر فرماں — جدھر آنکھ اُٹھائی ممالک مسخر
یہ حاکم ہر اک شخص اِن کی رعیت — یہ آقا تمام آدمی ان کے نوکر
زمانے میں اُس وقت جتنے ہنر تھے — یہی سب میں فائق یہی سب میں برتر
یہ ممتاز تھے حق بجانب کہ کوئی — نہ ند مقابل نہ ثانی نہ ہمسر
طبیعت میں ہر ایک کے غم گساری — مزاجوں میں سب کے شرافت کا جوہر
خدا نے عجب دل دیئے تھے کہ جن میں — کسی کی طرف سے نہ تھا کینہ مضمر
اگر صبح کو لڑ لیے بھائی بھائی — تو پھر شام تک ہو گئے شیر و شکر
کبھی رونق افزائے بزم مسرت — کبھی مرد میدان و سالار لشکر
لڑائی میں ایک ایک دس دس پہ بھاری — شہیدان بدر و شجاعان خیبر
لگیں دشمنوں کے تئیں ہو کے چھرّے — اگر پھینک دیں لے کے مٹھی میں کنکر
بھگایا ہی اعدا کو یوں غازیوں نے — اُڑ اُڑ ہوا جیسے لے جائے مچھر
خدا اور رسول خدا اُن کے حامی — کوئی آسکے اُن سے کس طرح برسر
ہلا ڈالی بنیاد ایوان کسریٰ — رگڑ دی پکڑ گردن ملک قیصر
پر اِس سے کہ دادا کو تخمہ ہوا تھا — بھلا بھوکے پوتوں کو سیری ہو کیونکر
بڑوں نے پہ لیٹے ہوں شال اور دوشالے — میسر نہیں اُن کی نسلوں کو دھوتر
رہے ہوں گے اگلے خزانوں کے مالک — ہمیں ایک پیسہ ہی کبریت احمر
ہمیں مر گئے جب کہ فاقوں کے مارے — بزرگوں کے کٹ کٹ کے نکلے مزعفر
خدائی بدل جائے واللہ باللہ — اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر
مگر کیا کیا جائے آخر تو دل ہی — سریع التاثر نہ لوہا نہ پتھر
پگھلتا ہی دیکھے سے درد مصیبت — اذیت سے ہوتا ہے بے چین و مضطر

خصوصاً وہ دل جس کو سینے میں اپنے
لئے بیٹھے ہیں یہ بزرگ معمّر[51]

لگایا تھا اک باغ[52] نانا نے ان کے
کئی سو برس تک رہا تازہ و تر

بکثرت ریاحین و گل ہائے رنگیں
بافراط شمشاد و سرو و صنوبر

درختوں پہ پھل اور پھلوں پر پرندے
زمیں پر دھرے دیتی ہیں ٹہنیاں سر

سوئے میں مگر چہچہے سنتے سنتے
شب و روز صبح و مسا گوش گل کر

ہر اک قطعہ پھولوں کے تختے کے تختے
ہر اک حوض پانی کی چادر کی چادر

تعالی اللہ فواروں کی سربلندی
کہ قطرے بنے انجم چرخ چنبر

فواکہ اگر کھائیے رزق طیّب
شگوفے اگر سونگھیے مشک و عنبر

سنے ہوں گے اوصاف جنت کے تم نے
اسی کا نمونہ تھا روئے زمیں پر

نظر لگ گئی پھولتے پھلتے اُس کو
حوادث کی پیہم چلی بادِ صرصر

اب اُس کی یہ نوبت ہوئی ہے دریغا
کفِ دست میدان ہے جیسے کلر

نہ سبزہ نہ سایہ نہ اک قطرہ پانی
نہ لطف تفرج نہ تفریح منظر

جہاں نغمہ خواں جھنڈ تھے طائروں کے
پڑے ہیں وہاں منتشر مشتِ پر

الٰہی وہ کیا ہو گئیں سب بہاریں
مزین ہیں جن کے بیانوں سے دفتر

جہاں وہ گئیں یہ تمنا بھی جائے
کہ ہم بھی انھیں دیکھتے اک نظر بھر

خزاں ہو تو جائے شکایت نہیں ہے
کہ ہر باغ کے واسطے ہے مقدر

مگر یہ تباہی اور اتنی تباہی
اور ایسی تباہی ہے اک امر آخر

نہ ہو حقِ ماتم ادا اس الم کا
اگر روئیے تا قیامت برابر

مگر صرف رونا ہے رانڈوں کا شیوہ
کہ اُن کو مناجات[53] حالی ہے ازبر

۵۱۔ لکچرار نے سرسید احمد خان کی طرف اشارہ کیا ۱۲ ۵۲ مراد ہے اسلام ۱۲

۵۳۔ بیوہ کی مناجات کی طرف اشارہ ہے ۱۲

یہ مُردوں میں ہے آوائے اور ہائے کیسی
بہ تصمیمِ ہمت کمر چست باندھو
خدا کے لئے کوئی صورت نکالو
مسلمان فاقوں سے مرنے نہ پائیں
اگر تم میں ہے مردمی اور مروت
جو تم کو حمیّت ذرا چھو گئی ہے
سہارا لگاؤ علیٰ قدرِ طاقت
جو سرکو تو منزل پہ پہنچو ہی پہنچو
بہت سو چکے کھو چکے اب تو چیتو
کوئی حد بھی ہے بدگمانی کی آخر
سنا بھی کرو گوشِ دل سے نصیحت
جو دینا و دیں میں ہوا ایسا تخالف
تو تم کس طرف کے ہوئے منہ سے پھوٹو
کوئی بات ہو اُس میں دیں کے اڑنگے
یہ دنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں
مگر ترکِ دنیا کچھ آساں نہیں ہے
ضوابط یہ باندھے ہوئے ہیں خدا کے
یہ طامات[54] و دعوے ہیں دھوکے کی ٹٹی
پڑے کیا ہو سید کے مذہب کے پیچھے

کہ بیٹھو منغص اور اُٹھو مکدر
ذرا دل کو مضبوط رکھو برادر
بناؤ کوئی ایسی تدبیر مل کر
کہ اب اُن کی حالت ہے بدتر نکھتر
اگر کچھ ہے پاسِ خدا و پیمبر
اگر تم پہ چلتا ہے غیرت کا نشتر
اسی طرح اُٹھتے ہیں لوگوں کے چھپر
بشرطے کہ اُن[51] کو کرو اپنا رہبر
کہاں تک کرو گے ستم اپنے اوپر
ارے ظالموں! خیر خواہوں سے بدتر
کہ سوئے مظنّۃ[52] ہے ممنوع منکر
کہ یہ جائے دکھن تو وہ جائے اُتر
کشاکش میں دونوں کی مجبور و مضطر
کوئی کام ہو اُس میں مذہب کی پچر
اُٹھاؤ چلو تہ کرو اپنا بستر
دکھائے کوئی کرشمے[53] برغمِ نیچر
نہ بدلے نہ بدلیں الیٰ یومِ محشر
اگر زہد ہے بھی تو زہدِ مزوّر
سنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر

۵۱ - سید کی طرف اشارہ ہے ۱۲
۵۲ - بدظنی ۱۲
۵۳ - خلاف فطرت ۱۲
۵۴ - لاف وگزاف ۱۲

وسے گر کہے دنیوی فائدے کی — تو کیا ضد سے کر لوگے نقصان سراسر
سیادت کا دعویٰ اور امت کا دشمن — ہمیں تو نہ آیا نہ آئے گا باور
اُسی باغ کو جڑ سے کاٹے اجاڑے — کہ جو باغ ہے اس کی میراث مادر
جو کہیے کوئی بات ایسی تو کہیے — کہ دائر ہو امکان عقلی کے اندر
نہ ایسی کہ سن کر جسے گر پڑے چھت — نکل جائے کنتوں کا دب کر کچومر
پڑھا ہو گا قسمہ آن میں وزر[50] اخریٰ — کریں کچھ تو تم کیوں بھرو اُس کا کیفر
خدا کو بھی سمجھے ہو کیا اپنے دل میں — کہ جج ہے بخشش نہ جج تم اس کے اسپیکر
ویا اُس کے ہاں بھی کوئی کونسل ہے — تم اس کونسل کے ارکین و ممبر
اُسے رائے لینے کی تم سے ضرورت — خدا ہو کے محتاج تعلیم دیگر

پڑی[51] کیا پرائی تم اپنی نبیڑو
فکل رھین[52] و کل میسر

مندرجہ ذیل نظم مولانا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے نویں سالانہ جلسے میں پڑھی تھی جو سنہ ۹۴ء میں منعقد ہوا تھا۔

(۴)

خدا شاہد ہے میرے دل میں گر کچھ بھی شرارت ہو — مگر دیکھا نہیں جاتا کہ اپنی قوم غارت ہو
طبیعت ہی تو ہے مجھ سے تحمل ہو نہیں سکتا — کہ دنیا میں مسلمانوں کی ذلت ہو حقارت ہو
گھلا کرتا ہوں اس غم میں مگر بے سود و لا حاصل — کہ اس قابل نہیں مجھ سے کوئی تقدیم خدمت ہو

۵۱ - اشارہ ہے آیہ کریمہ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کی طرف یعنی کوئی گنہگار دوسرے کا بار نہ اوٹھائیگا ۱۲
۵۲ - کل رھین اشارہ ہے کل امرئ بما کسب رھین کی طرف کل میسر سے مراد ہے کل میسر لما خلق لہ ۱۲

مسلمانوں کی حالت دیکھ میرا وہم اُلٹا ہی
الٰہی دشمنوں کی بھی نہ اس درجہ بری گت ہو

کہاں وہ سلطنت اور وہ حکومت وہ جہاں آرائی
معاذاللہ جدا ہو جائیں گر اُن کی سی حشمت ہو

کہاں یہ مفلسی یہ ناکسی یہ ذلت و خواری
کہ اپنی قوم کو خود نام سے اپنے ندامت ہو

یہ میری عمر آئی ہی اور اب تھوڑی سی باقی ہی
اگر واقع میں باقی ہو اور اُس میں کچھ طوالت ہو

خدا کا شکر ہی میں حال میں اپنے بہت خوش ہوں
نہیں ہی یہ کہ مجھکو خاص کر کوئی شکایت ہو

مجھے پوری سبک دوشی ہی افکار معیشت سے
بڑی دولت ہی جب جس حال میں جس کو قناعت ہو

میں اپنی نیند سوتا ہوں مزے سے پاؤں پھیلا کر
اگرچہ سر پہ میرے شور و غوغائے قیامت ہو

نہ گردن میں مری طوقِ غلامی ہی کسی شہ کا
نہ حاکم ہوں کہ مجھکو فکر بہبودِ رعیت ہو

نمک خوار نظام حیدرآباد دکن ہوں میں
جب ایسے کا توسّل ہی تو مجھکو کیوں نہ ثروت ہو

مجھے ملتا ہی گھر بیٹھے جو یاں پر مل نہیں سکتا
اگرچہ نوکری میں عمر ساری صرفِ زحمت ہو

یہ سن کر حاسدِ بد نفس مر جائے تو مر جائے
کہ ہم سب کو بھی اطمینان ہو اُس کو بھی راحت ہو

نہ طالب جاہ کا ہوں اور نہ خواہاں ہوں تعزز کا
مصیبت ہی اگر حکام میں رشد و وجاہت ہو

یہ کس سے ہو کہ مارے مارے کتّے کی طرح پھریے
سلام از دور کر لیتے اگر صاحب کو فرصت ہو

خدا تک پہنچنا آسان اور ان تک پہنچنا مشکل
مگر ہاں خانساماں جی کی تقریب و شفاعت ہو

بصد دقت جو پہنچے بھی تو صاحب کو پچھتے کیا ہیں
کہ وِل نیلا و گر آب و ہوا میں کچھ ردائت ہو

یہ کالا لوگ کا عادت ہی میلا گھر میں رکھتا ہی
اِسی سے کالرا اور انفلوئنزا کی شدت ہو

گھڑی کو دیکھ کر فرماتے ہیں خلق و مروت سے
کہ پرسوں مِل جانے کو ہی اچھا آپ رخصت ہو

یہ ملنا ہی اگر ملنا اِسے کہیے تو فرماؤ
کہ اِس جلدی میں کیونکر عرض مطلب کی جسارت ہو

نہ میرا مدعا ہی نامور ہونا زمانے میں
نری شیخی ہی شیخی ہی اگر لوگوں میں شہرت ہو

کسی کی ایک کوڑی مجھکو دینی ہو تو بول اُٹھو
تنازع کس لیے ہو وارثوں سے کیوں عدالت ہو

اگرچہ ساز و سامانِ تکبر جمع ہیں سارے
مگر حاشا کہ مجھ سے بھول کر ایسی حماقت ہو

پر استغنا و خودداری کے ہوتے کیا تعجب ہے
فقط اک مشغلے کے طور پر تھوڑی تجارت ہے
اگر کچھ فائدہ ہونا ہے ہوگا لاجرم ہوگا
پہنچتا ہے ہر اک کو جس قدر جس کا مقدر ہے
وگر نقصاں خدا ناخواستہ قسمت میں لکھا ہے
ولیکن کچھ نہ ہو لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاؤں
مسلمانوں کو بھی توفیق دے یارب کہ گھر گھر میں
نہ شیخ وقت ہوں اس بات کے درپے کہ لوگوں کو
کوئی قائل ہو میری خرقِ عادت کا کرامت کا
ابھی سلبِ مرض ہو گر کسی پر پڑھ کے چھو کر دوں
لطیفات الحیل جاری ہوں مرے برنج و جو سے
فقیری دوسرے لفظوں میں ہے فرمانِ آزادی
کوئی اولاد کی درخواست لیکر میرے پاس آئے
اگر چاہوں تو زن شو باپ بیٹے کو لڑا ماروں
غرض دنیا میں جتنی حاجتیں انسان کو پیش آئیں
ذریعہ مجکو گردانے جو خواہاں تقرب کا
نہ ملا ہوں کہ مسجد ہے مرا کاسۂ گدائی کا
قضا ہونے نہ دوں تکبیر اولیٰ ہر جماعت کی
تمنا ہے جو نہ آئی ہے مسلمانوں پہ آجائے
ارادہ ہے کہ اب اک مدرسے کا جال پھیلاؤں
کمالِ دینداری کی صنعت سے منصف۔ لیکن

کسی ناداں کو گر مجھ پر گمانِ عجب و نخوت ہو
اب اس میں آگے چل کر فائدہ ہو یا خسارت ہو
حسد ہو کس لئے اور کیوں کسی کو رشک و غبطت ہو
موافق چاہیئے تقدیر۔ ہو نہ پریامت ہو
اسے برداشت کرنے کی الٰہی مجکو ہمت ہو
مجھے آجائے مرگِ ناگہاں گر ایسی نوبت ہو
تجارت ہو! تجارت ہو!! تجارت ہو
ارادت ہو۔ عقیدت ہو۔ مرے ہاتھوں پہ بیعت ہو
کوئی گرویدۂ رمز و دعا و ستر ہمت ہو
توجہ ڈال دوں تو مرغِ بسمل کی سی حالت ہو
قبولِ خلق و جلبِ منفعت سے خاص نسبت ہو
وہ مرفوع القلم کیا ہو جو محکوم الشریعت ہو
کشایش کا کوئی طالب ہو تا روزی میں وسعت ہو
رکھوں دل پر تو جانی دشمنوں میں انس و الفت ہو
ہر ایک حاجت کے بر لانے کی مجکو ہی توجہ ہو
وسیلہ مجکو ٹھیرائے اگر مشتاقِ جنت ہو
مجھے دعوت میں جانا فرض ہو اور دن کو سنت ہو
مری موجودگی میں ہو اذاں ہو یا اقامت ہو
مجھے کیا چاہیئے ہے میں ہوں مسجد ہو امامت ہو
کہ اس تدبیر سے چندے کے ملنے میں سہولت ہو
دکھاوے کا تقدس ہو نمائش کی عبادت ہو

نہ لوگوں کو پڑھایا درس دینا کام ہے میرا
کہ یہ سب دردِ سر از بہرِ اظہارِ لیاقت ہو

ہیں تم میں آکھڑا ہوتا ہوں جب مجبور کرتے ہیں
کہ گر تشریف لاؤ مہربانی ہو عنایت ہو

تم آجاؤ اور آکر اپنا لکچر دو تو جلسے میں
ہجوم و ازدحامِ خلق ہو لوگوں کی کثرت ہو

کوئی بھاری سی معتد بہ رقم چندے کی آجائے
ہماری انجمن کو فخر و استحکام و قوت ہو

کما لیتے ہیں کتنے آدمی میرے ذریعے سے
تمہیں ہو اجر ان کو فائدہ مجھ کو مسرت ہو

اگر اپنے لیے چاہوں تو کتنا کچھ مجھ کو حاصل ہو
بہت کچھ ہو گدائی کی اگر میرے تئیں لت ہو

یہ دلوانا بھی دینے ہی میں داخل ہے اگر سمجھو
کہ مثلِ خیر ہے اگر خیر کے اوپر دلالت ہو

پھر آتا ہوں تو کچھ دیتا ہوں جو کچھ میرے دل میں ہے
خوشی ہو اس کے سننے سے کسی کو یا کہ نفرت ہو

اگر لوگوں کے خوش کرنے کی حاجت ہے تو اس کو ہے
کہ جو امیدوارِ بخشش و انعام و خلعت ہو

یہاں تحسین تک اور واد تک کی بھی نہیں پروا
سخن بے قدر کاسد ہے اگر شاباش قیمت ہو

دلوں کو مول لے لیتے ہیں ہم لطفِ مضامیں سے
مگر دل حق پسند و شیوۂ انصاف طینت ہو

کوئی بھی انجمن میں نے کھڑی کی ہو تو بتلا دو
ہے کوئی کارخانہ میرے ذمے جس کی خدمت ہو

غرض ہوتی ہے ہر ایک کام میں انسان کے مضمر
کرے انکار گر کوئی تو انکارِ بداہت ہو

کسی مطلب کو تم میری طرف منسوب کر دیکھو
خدا نے عقل دی ہے صاحبِ فہم و فراست ہو

اور اس کے بعد سوچو تو تمہارا دل گواہی دے
کہ ناممکن ہے جز اصلاح میری کوئی نیت ہو

بتاؤ کچھ مفاد ان لکچروں ان سپیچوں کا
بجز اس کے کہ لوگوں کے تئیں مہمیزِ غیرت ہو

غلط فہمی بتائی جائے تا آگے کو سیدھے ہوں
خطا کاری دکھائی جائے تا آئندہ عصمت ہو

لگا دے تازیانہ گر کسی کو سست رو دیکھے
چبھو دے آر گر اس کے چبھونے کی ضرورت ہو

پھٹی ہی کی پھٹی رہ جائیں آنکھیں سننے والوں کی
کھلے ہی کے کھلے رہ جائیں منھ حیرت سے حیرت ہو

وہ افسانہ ہو نیندیں جس کے سننے سے اچٹ جائیں
وہ نوحہ ہو در و دیوار تک کو جس سے رقت ہو

سہ۔ ظاہر ظہور ۱۲

۵۳۔ تحفظ ۱۲

وہ چورن چھانٹ دے بادیٔ تعصب بیجا کی
نہیں لکچر مگر آئینہ صافی درون جس میں
اگر آئینہ دکھلاتا ہے زنگی کی سیہ روئی
کوئی غمازہ بہم پہنچائے ایسا جس کے ملنے سے
نہیں سنے عمر بھر اخبار کی جانب توجہ کی
کسی کی ہجو لکھے یا کسی کی مدحت بیجا

وہ چٹنی ترشیٔ مستِ مئے پندار و غفلت ہو
بعینہ منطبع ہوتی ہے جیسی جس کی صورت ہو
اُسے آئینے سے کس واسطے بغض و کدورت ہو
کلف چہرے کا اُس کے دور ہو کر گوری رنگت ہو
یہ وہ کرتا ہے جو واماندۂ تدبیر و حیلت ہو
محالِ عقل ہے نے اُس کے ترویج و اشاعت ہو

مذاقِ قوم بگڑے ہیں کچھ ایسے اِن دنوں اگر
نہ پوچھے کوئی گر پابندیٔ صدق و دیانت ہو

مولنا کی مندرجہ صدر کُل نظمیں یا اُس قسم کی نظمیں ہیں جو لکچروں کے پہلے اکثر تبرکاً پڑھی گئی ہیں یا اُس قسم کی ہیں جو بخیال ثواب اعتقاداً حمد و نعت و مناجات کی صورت میں تصنیف ہوئی ہیں۔ لیکن ذیل کی نظم ایک منظوم لکچر ہے جو سر سید کے پنجاب والے ڈیپوٹیشن متعلق محمدن کالج علی گڑھ پنجاب کے متعدد مقامات میں درخواست کر کے باصرار پڑھوائی گئی تھی۔ اِس منظوم لکچر کے اشعار کی ایک تفسیر بھی ہے جو فٹ نوٹ میں درج ہے۔ ہمارے نزدیک یہ فٹ نوٹ اور نظم دونوں ایسے لازم و ملزوم اور دست و گریبان ہیں کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو دوتا لطف اور دونی معلومات مفیدہ حاصل ہوتی ہے۔ لہذا منظوم لکچر مع شرح درج کیا جاتا ہے۔

سلام علیکم سلام علیکم	بحمد اللہ بھائی مسلمان ہیں ہم تم

۱ے - سلام تو ایک ہی بس کرتا تھا یعنی علیکم میں جو کہ ہے ضمیر جمع حاضر ہے۔ اور اُس کے مخاطب کل حضرات آڈئینس (سامعین) مگر مجھکو ڈبل (دوہرا) سلام کرنا منظور تھا اور اسی لیے میں نے نظم کا ایک ایسا وزن اختیار کیا ہے۔ جس میں ڈبل سلام کی کھبت ہو۔ ڈبل سلام میں ایک تو نماز کی تقلید ہے کہ اُس میں بھی دو سلام ہوتے ہیں۔ دوسرے ایک سلام شعار اسلام ہے کہ جب مسلمان مسلمان ملیں چاہیئے ایک دوسرے کو سلام کریں۔ اور دوسرا سلام سلام روستائی ہے۔ جس کی نسبت آپنے سنا ہوگا ع سلام روستائی بے غرض نیست + وہ غرض جس کے لئے سلام روستائی کیا گیا ہے آپ کو معلوم ہے مگر تھوڑی دیر بعد میں اُس کو منھ پھوڑکر بھی بیان کردوں گا اور یہ جو کچھ لکھ رہا ہوں اُس ہی کی تمہید ہے۔

آداب معاشرت میں سلام ادب موکد ہے فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ یعنی جب کسی کے گھر جاؤ تو اپنے تئیں سلام کر لیا کرو۔ جائیں دوسرے کے گھر اور سلام کریں اپنے تئیں۔ اِس کے معنی کیا؟ اِس کے یہ معنی ہیں کہ تم مسلمان مسلمان آپس میں سب ایک ہو تو تم دوسرے مسلمان بھائی کو کیا سلام کرتے ہو گویا اپنے ہی تئیں سلام کرتے ہو گویا اپنے ہی تئیں سلام کرتے ہو۔ اور اِس تاویل کے شواہد قرآن میں کئی جگہ موجود ہیں مثلاً - لا تلمزوا انفسکم اپنی عیب چینی مت کیا کرو۔ مراد ہے کہ ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کیا کرو۔ کیونکہ کوئی اپنی عیب چینی نہیں کیا کرتا۔ الا ماشاء اللہ اور اگر انسان اپنی عیب چینی کیا کرتا تو زمین پر آدمی نہ بستے بلکہ معصوم فرشتے اسی طرح و اذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دماءکم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم ثم اقررتم و انتم تشھدون ثم انتم ھولاء تقتلون انفسکم و تخرجون فریقا منکم من دیارھم تظاھرون علیھم بالاثم و العدوان و ان یاتوکم اساری تفادوھم وھو محرم علیکم اخراجھم میثاق (عہد) تھا لا تخرجون انفسکم اور الزام ہے تخرجون فریقا

منکم من دیارھم یہود سے خدا نے عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کی خونریزی نہ کرنا اور نہ ایک
دوسرے کو دیس نکالا دینا۔ لیکن اس عہد کو اِن الفاظ سے بیان کیا کہ اپنی خونریزی نہ کرنا اور
اپنے تئیں جلاوطن نہ کرنا۔ ادائے مطلب کے اِس پیرائے سے ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ
چاہتا ہے کہ بندے التیام اور صلحکاری سے رہیں۔ اور اپنے میں اور ابنائے جنس میں دوئی
نہ لگائیں۔ مگر ہم کمبخت نافرمان بندے آپس میں لڑے مرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔
فسلموا علی انفسکم کی دوسری تاویل لوگوں نے یہ بھی کی ہے کہ جب تم دوسرے مسلمان
بھائی کو سلام کروگے تو وہ خواہی نخواہی جواب سلام دیگا۔ اور جواب سلام بھی بجائے خود سلام
ہے۔ تو تمھارا دوسرے مسلمان بھائی کو سلام کرنا انجام کار اپنے تئیں سلام کرنا ہے
تو اس صورت میں ادائے مطلب کا یہ پیرایہ ہوا جو ولکم فی القصاص حیوۃ (قصاص کا قاعدہ
جاری رکھنے میں تمھاری زندگی ہے) کا ہے۔ انگریزی اٹیکٹ (آداب مجلس) تو یہ ہے
کہ جب تک کوئی تم کو انٹروڈیوس (تقریب) نہ کرے تم اجنبی آدمی سے شناسائی مت پیدا کرو
اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ لوگ مہینوں ایک ہوٹل یا ایک جہاز میں رہے اور ایک میز پر کھانا
کھایا کئے۔ اور اُن میں صاحب سلامت کی نوبت نہ آئی۔ مگر اسلامی اخلاق اس روکھے
پن۔ اِس کھُردرے پن کو جائز نہیں رکھتا۔ پس ایک اِسی بات سے مشتے نمونہ از خروارے
سمجھ لو۔ ملنساری کن میں ہے اور کن میں نہیں۔ اور ملنساری نہیں ہے مگر حُسن اخلاق کا دوسرا
نام انك لعلی خلق عظیم (اے پیغمبر تم بڑے ہی خلیق ہو) ہمارے ہاں اگر معرفت سابقہ
ہے تو "السلام علیکم" سے اظہار خلوص کیا جاتا ہے اور اُس کی تجدید۔ اگر معرفت
نہیں تو بھی۔ "السلام علیکم" تقریب ہے اور یہی "السلام علیکم" انٹروڈکشن۔ انٹروڈکشن
ہے کیا چیز یہی نا کہ ایک متوسط ایک اجنبی سے دوسرے اجنبی کا معرِّف ہوتا ہے۔ لیکن
جب معرِّف اور معرَّف الیہ دونوں مسلمان ہیں تو اجنبیت گئی گزری ہوئی۔ وہی اسلام جس کے
دونوں معتقد ہیں۔ ایک دوسرے کا معرِّف کافی ہے۔ پھر سلام کے بھی آداب ہیں۔ کہ سوا

پیادے کو سلام کرے۔ جو کھڑا ہے بیٹھے ہوؤں کو جیسا میں نے کیا۔ اس میں بھی تواضع کی
ایک اخلاقی تعلیم ہے۔ پھر سلام ایک حق ہے منجملہ حقوق العباد کے۔ واذا حییتم تحیۃ فحیوا
باحسن منھا او ردوھا ان اللہ علی کل شئی حسیبا اگر تم کو کوئی سلام کرے تو تم اُس کے لفظوں
سے بہتر لفظوں میں اُس کا جواب دو۔ یا خیر ویسے ہی لفظوں میں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ذری
ذری بات کا حساب لے گا۔ ردوھا کے یہ معنی کہ میں نے کہا کہ "السلام علیکم" تم نے
اُس کے جواب میں کہا "وعلیکم السلام"۔ باحسن منھا سے یہ مراد ہے کہ میں نے کہا السلام علیکم
تم نے کہا "وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ" مگر یہ تو اسلامی سلام کا جواب ہوا سلام
روستائی کے جواب میں بہترین الفاظ سے کام نہیں چلتا وہاں چاہیے بہترین مسکوک۔
شروع شروع میں مسلمانوں سے ایک دو بار ایسی غلطیاں ہوئیں کہ اپنے تحفظ کی ضرورت
سے دشمنوں پر چڑھ کر گئے۔ اُنھوں نے اسلامی قاعدے سے اُن کو سلام کیا اور سلام کو
طلب امن کا مرادف سمجھا مسلمانوں نے خدع کے خیال سے الحرب خدعۃ (لڑائی نام ہے
فریب کا) سلام کی پروا نہ کی۔ اِس پر بڑے غصے کی آیت نازل ہوئی۔ یا ایھا الذین امنوا
اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا (اے مسلمانو جب
تم اللہ کی راہ میں یعنی جہاد کے لئے سفر کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو کوئی تم کو سلام
کرے تم اُس سے یہ بات نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں) ذرا قرآن کے لفظوں پر نظر کرو ولا تقو
لوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا۔ مسلم سے مومن کا درجہ بڑا ہوا ہے کیونکہ اسلام کے معنی
ہیں گردن نہادن۔ اور یہ ہے فعل ظاہر جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ اور ایمان ہے فعل قلب
جس پر سوائے خدا کے کوئی مطلع ہو نہیں سکتا۔ قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا
اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (عرب کے گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو اے
پیغمبر تم اُن سے کہو کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ہنوز
تمھارے دلوں تک پہونچا بھی نہیں) تو فرمایا کہ جو تم کو اسلامی قاعدے سے سلام کرے

تم کو کوئی حق نہیں کہ اس کو مومن نہ سمجھو تم تو ظاہر پر حکم لگانے والے ہو۔ کسی کا اسلامی قاعدے سے سلام کرنا تمھارے لئے اس کے مومن ہونے کا ثبوت کافی ہے۔

قریب قریب اسی طرح کی ایک غلطی خالد بن ولید سے بھی ہوئی تھی کہ ان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آدمی ساتھ دے کر دعوۃ اسلام کی غرض سے قبیلۂ بنی جذیمہ کے لوگوں پاس بھیجا یہ جو نہی ایک اُن کے سر پر جا موجود ہوئے تو وہ گھبرا کر لگے کہنے صبانا صبانا۔ صابی ایک لقب حقارت آمیز تھا جو کفار قریش نے اس وقت کے مسلمانوں کو دے رکھا تھا۔ اس کے لغوی معنی تو کنورٹڈ (نومسلم) کے تھے مگر کفار قریش اس کو ڈزرٹر (خارجی) کی جگہ استعمال کرتے تھے۔

قبیلہ بنی حنیفہ میں کا ایک شخص تھا ثمامہ بن اثال مسلمان اس کو گرفتار کر کے حضرت پاس لائے حضرت نے پوچھا ما عندک یا ثمامہ (ثمامہ کیا خبر ہے) تو اس نے کہا عندی خیر یا محمد ان تقتلنی تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علی شاکر وان کنت ترید المال فسل ما شئت (اے محمد خیریت ہے اگر تم مجھے مار ڈالو گے تو میری قوم کے لوگ تم سے میرا خون بہا لیں گے اور احسان کرو گے تو میں احسان فراموش نہیں اور تمھیں مال درکار ہو تو جو مانگو میں دینے کو موجود ہوں) یہ جواب اپنے سیاق میں حضرت عیسے علیہ السلام کے اس مقولے سے کیسا ملتا ہے۔ ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم نہ خیر تو آن حضرت نے اپنی رحمت جبلی کے مطابق ثمامہ کو چھوڑ دیا اور وہ حضرت کا طرز مدارات دیکھ کر ایمان بھی لے آئے۔ ان کو عمرہ کرنا تھا گئے تھے۔ قریش کے لوگوں نے پوچھا اصبوت (کیا تم نے ترک دین کیا) ثمامہ نے کہا ولکن اسلمت (نہیں تو بلکہ میں مسلمان ہو گیا) اسی طرح بنی جذیمہ کو اسلمنا کہنا چاہیے تھا نہ صبانا کہ صبانا سے اسلام کی توہین نکلتی تھی اور اسی لئے خالد بن ولید نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بنی جذیمہ کے کچھ آدمی مارے گئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو حضرت خالد پر سخت ناخوش ہوئے اور آسمان کی طرف ہاتھ اوٹھا کر فرمایا۔ الٰہی میں خالد کی اس حرکت سے بیزار ہوں

اور صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ حضرت علی کو بنی خذیمہ میں بھیجکر ایک ایک مقتول کی دیت دلوائی
خالد اسلام کے بڑے مشہور جنرل ہیں اور اُنھوں نے اسلام میں بڑی بڑی فتوحات
نمایاں کی ہیں (مارے مارے کی تھیں) اور ان کو سیف اللہ کا خطاب ملا تھا۔ اور خطاب کے
ملنے کا قصہ بیان کیا جائے تو شاید چنداں بے محل نہ ہوگا۔ اور اسلام کی ابتدائی ہسٹری
(تاریخ) ہے ہی ایسی دلچسپ کہ جس بات پر نظر کرو کیوریاسٹی (شوق) کی طرح سٹیسفائی
(سیر) نہیں ہوتی۔ شعر

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مینگرم   کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

موتہ ایک مقام ہے علاقہ شام میں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کے خطوط
ملوک کے نام لکھے تو ہرقل روم کے نام کا خط حاکم بصرے کے پاس بھیجدیا۔ کہ اس کو ہرقل
پاس پہنچادو۔ ہرقل کی طرف سے شام کا گورنر تھا شرجیل۔ اس کی جو شامت آئی تو اس نے
پیغمبر صاحب کے قاصد حرہ بن عمیر کو مروا ڈالا۔ آن حضرت نے شرحبیل کی سرکوبی کو لشکر
روانہ کیا۔ جس کے کمانڈر تھے زید بن حارثہ۔ اور آنحضرت نے لشکر کو رخصت کرتے وقت
فرمادیا تھا۔ کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہوجائیں تو اُن کے بعد جعفر بن طالب اور ان کے بعد
عبداللہ بن رواحہ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ تینوں کمانڈر یکے بعد دیگرے شہید ہوئے
راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے جعفر بن طالب کی لاش کو دیکھا۔ نوے سے اوپر تیروں
اور تلواروں کے زخم تھے اور ایک بھی پشت کی جانب نہ تھا۔ حضرت جعفر کو شہادت کے بعد
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالجناحین فرمایا۔ یعنی دو بازو والے۔ کیونکہ اسلامی
جھنڈا لڑتے وقت ان کے داہنے ہاتھ میں تھا وہ کٹ گیا تو انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ
میں لے لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو ٹانگوں سے دبائے کھڑے رہے اور جھنڈے
کو گرنے نہ دیا اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔ جب زید اور جعفر اور عبداللہ تینوں کمانڈر
شہید ہوگئے تو لوگوں نے خالد کی جلادت دیکھکر ان کو کمانڈر بنالیا۔ اور خدا نے ان کو فتح

دی۔ یہاں مدینے میں خبر آنے سے پہلے آں حضرت نے بیان فرمادیا تھا اور اس میں خالد کی نسبت ارشاد ہوا تھا۔ کہ عبداللہ کے بعد اخذ الرایۃ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیہم (آخر کار اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اسلامی جھنڈا لیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی) تو خالد ایک تو خود اعلیٰ درجے کے سپاہی تھے ایسے لوگوں میں شدت کا ہونا ضرور ہے اس وجہ سے بنی جذیمہ کے مقہور کرنے میں جلدی کی یا عجب نہیں خالد نے ان لوگوں کے سلام کو توبہ پر قیاس کیا ہو جس کی نسبت ارشاد ہے انما التوبۃ اللہ علی اللہ الذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیہم وکان اللہ علیما حکیما (اللہ تو ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جن سے نادانستہ ایک خطا ہوگئی اور انھوں نے جلدی سے توبہ کرلی) ولیست التوبۃ الذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدہم الموت قال انی تبت الاٰن و لا الذین یموتون وہم کفار اولئک اعتدنا لہم عذابا الیما (اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو بدیاں کرتے چلے گئے یہاں تک کہ جب موت آموجود ہوئی تو لگے کہنے اب میری توبہ اور نہ اُن کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کافر ہوں اور کفر پر مرجائیں) فقہاء نے غرغرہ کو حد توبہ قرار دیا ہے۔ بعینہ یہی معاملہ فرعون کے ساتھ ہوا۔ حتی اذا ادرکہ الغرق قال اٰمنت انہ لا الٰہ الا الذی اٰمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین الاٰن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک اٰیۃ (یہاں تک کہ آخر کار جب لگا ڈوبنے تو بولا میں ایمان لایا کہ بنی اسرائیل کا خدا چھوڑ کر اور کوئی خدا نہیں اور اب میں مانتا ہوں۔ اب مانا تو کیا مانا اور اس سے پہلے تو سرکشی کرتا اور فساد پھیلاتا رہا۔

آخر میں میں ایک ریمارک سلام کے متعلق اور کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح فوج میں پرول ہوتا ہے جس سے اپنے لشکر کا آدمی پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی شعار ہے "السلام علیکم" یا "سلام علیکم" مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس شعار کو ترک کرتے چلے جاتے

مسلمان سب ہمدم۵۱ و ہمقدم۵۲ ہیں	ہمیں ہیں کہ تم ہو تمھیں ہیں کہ ہم ہیں
خدا و رسولِ خدا ایک سب کا	نہیں فرق۵۳ یاں کچھ عجم اور عرب کا
وہ ختم الرسل۵۴ وہ خدادانِ اُمّی	یمانی و آلی نبفسی و اُمّی
اُسی دین کی کرتے سیوا ہیں ہم بھی	اُسی شخص کے نام لیوا ہیں ہم بھی

ہیں۔ میں انگریزی واں مسلمانوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ یا فقط جنبش سر سے کام لیتے ہیں یا ہاتھ کے اشارے سے۔ یا ہی انگریزی سلام کہ سلام کا بھی کام دیتا ہی۔ اور گھڑی کی طرح سے وقت بھی بتاتا ہی۔ گڈ مارننگ (صبح کا سلام) گڈ نون (دوپہر کا سلام) گڈ آفٹرنون (تیسرے پہر کا سلام) گڈ ایوننگ (شام کا سلام) گڈ نائٹ (رات کا سلام) عجب نہیں کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرے آیندہ گھڑی اور گھنٹے کی سوئیوں کی طرح بقید گھنٹہ و منٹ ٹھیک وقت بتانے لگے۔ گڈ سکس او کلاک پی ام (شام کے چھ بجے کا سلام) گڈ ہاف پاسٹ۔ یا کوارٹر ٹو سکس اے ام (صبح کے ساڑھے چھ یا پونے چھ بجے کا سلام) وقس علی ہذا۔ تو اُس وقت سلام اچھا خاصہ ریلوے ٹائم ٹیبل ہو جائے گا۔ اے کاش ہمارے دلی واپس جانے سے پہلے ہو کہ ہمارے بھی کام آئے۔ بشرطیکہ وایا (براہ) کالکا بھی ہو۔ یہ صرف انگریزی پھڈکار نہیں ہی مدتوں سے مسلمانوں نے سلام کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ بادشاہوں امیروں کا تو نام نہ لو کہ وہ اسلام سے مستثنے ہیں یعنی خارج۔ چھوٹوں کی طرف سے آداب۔ بڑوں کی طرف سے دعا۔ لکھنؤ کے مجرے۔ کورنش۔ تسلیمات۔ بندگیاں۔ زنان خانوں میں ٹھنڈی سہاگن۔ سائیں جیئے۔ بچے جئیں۔ بس ایک سلام ہی سے خیال کر لو کہ مسلمان کہاں تک اپنے مذہبی رسومات کے پابند ہیں سو بھئی مجکو تو ایسے سلاموں کی عادت نہیں۔ نہ میں ان کو پسند کرتا ہوں میں نے تو سیدھا سادہ مسلمانوں کا سا سلام کھینچ مارا ہی لگا تو تیر نہیں تکا ۱۲

۵۱۔ ہمدم اس اعتبار سے کہ سب کلمہ گو ہیں ۱۲ ۵۲۔ ہمقدم اس لئے کہ ایک شریعت پر چلتے ہیں ۱۲

۵۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثی و جعلنٰکم شعوبا و قبائل

لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کر کے تم کو جتھوں اور برادریوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور بعینہٖ یہی مضمون ہی حدیث کا یاایہا الناس ان ربکم لواحد وان اباکم لواحد فلا فضل للعجم علی العرب ولا للاسود علی الاحمر ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ لوگو تمہارا پروردگار ایک۔ تمہارا مورث اعلیٰ (آدم) ایک تو عرب کو عجم پر اور کالے رنگ کے آدمی (عرب) کو لال رنگ کے آدمی (رومی) پر کوئی برتری نہیں۔ خواجہ حافظ شیراز کہتے ہیں ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

۵۴۔ امی۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظ امی واقع ہوا ہے۔ پہلے سے مراد ہے ان اجوکیٹڈ (تعلیم نایافتہ) الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم التوراۃ والانجیل (وہ جو پیروی کرتے ہیں ان پڑھ پیغمبر کی جس کے مذکور کو پاتے ہیں اپنے پاس لکھا ہوا توراۃ اور انجیل میں) بجائے اس کے کہ ان اجوکیٹڈ ہونا پیغمبر صاحب کے لئے موجب کسر شان ہو وہ ان کے معجزات باہرہ میں سے ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ نہ پڑھے نہ لکھے اور قرآن جیسی لاجواب کتاب زبانی لکھوا دی ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

جن دنوں قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر (علم ادب یا زبان دانی) کے جوبن پر ایک بہار آ رہی تھی۔ لوگوں میں یہ مادہ ایسا ڈولپ (برسر ترقی) ہوا تھا کہ کیا شہری کیا دیہاتی۔ کیا مرد کیا عورت۔ کوئی متنفس مذاق شعری سے خالی نہ تھا۔ بدیہہ گوئی حاضر جوابی ان کے نزدیک ایک بات تھی۔ رنج اور خوشی صلح اور جنگ۔ سفر اور اقامت کوئی حالت خیال میں نہیں آ سکتی جس میں ان وقتوں کے اشعار کے انبار انبار نہوں غرض ان کی زندگی کے جہاں اور طرز تھے ایک طرز ضروری شاعری بھی تھی۔ کسی قوم نے شاعری

کو ایسا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا جیسا اُن وقتوں کے عرب نے۔ فضائل انسانی اور بھی تھے
جیسے شجاعت۔ سخاوت۔ مہماں نوازی۔ شرافت۔ حُسن صورت وغیرہ مگر شاعری کو ایک
لگا نہیں کھاتا تھا۔ شاعری نے اُن دنوں اچھی حکومت کرلی کہ شاعر لوگ قبیلوں کو آپسمیں
لڑا مارتے تھے۔ جیسے بادشاہ بادشاہ ملکوں کو۔ اور پھر عرب نے اِس وقت تک
سولزیشن میں کچھ ترقی کی نہ تھی۔ پس اِن کی شاعری نیچرل تھی بلا تصنع۔ آمد تھی نہ آورد۔ اور
اِسی لئے موثر بھی پرلے ہی درجے کی تھی۔ ان من البیان لسحرا۔ (بعض بیان تو واقع میں
جادو کا اثر رکھتا ہے) اور خیر یہ تو زبان عربی کے عروج کا زمانہ تھا۔ یوں بھی عرب کو اپنی
بولی پر بلا کا ناز تھا۔ اور اُن کی بولی ناز کے قابل ہو بھی کہ اُنھوں نے اپنے سوائے دوسروں
کا نام رکھا تھا عجم یعنی گونگے یا جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ ایسے لوگوں سے کیسی ہی
اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حلیہ فصاحت سے عاری تو اُن کے کان پر جوں بھی تو نہ چلتی الٹا
وہ اُس کو اِس کان سنتے اور اُس کان اڑا دیتے۔ پس ضرور تھا کہ اُن کو اُسی داؤ سے پچھاڑا
جائے۔ جو داؤ اُن کو خوب رواں تھا یعنی فصاحت۔ قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو جو اپنے
اپنے وقت کے سرسید اور نواب محسن الملک اور سید محمود اور حالی اور شبلی تھے سب کے
چھکے چھوٹ گئے کہ نری دین داری خداپرستی اخلاق اور نیکی کے مضامین اور اِس خوبی کے
ساتھ ادا کئے جائیں کہ دلوں کو موہ لیں یہ بھید کیا ہے؟ سمجھ تو گئے تھے مگر غرور اور
حسد اقرار حق کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا
(ان کے دل تو مان گئے تھے مگر زبردستی اور ہیکڑی سے اُنھوں نے خدا کے کلام سے
انکار کیا) غضب خدا کا ابوطالب جیسے شخص رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے
حقیقی چچا جنھوں نے پیغمبر صاحب کو پالا پرورش کیا اور وہ اُنھیں کے کنار عاطفت
میں بڑے ہوئے اور اُن ہی کی مدد تھی کہ پیغمبر صاحب مکے میں رہنے بھی پائے۔ پیغمبر صاحب
کا رتی رتی حال اُن کو معلوم۔ بستر مرگ پر پڑے ہیں اور پیغمبر صاحب منت کر رہے ہیں

کہ چچا جان ایک بار میرے کان میں کہدیجئے کہ خدا ایک ہی تو مجکو خدا سے آپ کی مغفرت کے
لئے عرض معروض کرنے کی گنجایش ہو۔ اُدہر ابوجہل بیٹھا بہکا رہا ہے کہ بس یہی وقت آزمایش
استقلال کا ہے۔ آخرکار ابوطالب نے پیغمبر صاحب سے کہا بھتیجے کہتے تو سچ ہو۔ مگر
لوگ خیال کریں گے کہ بڈھا مرنے سے ڈر گیا۔ سو میں تو اپنے باپ کے مذہب پر مرتا
ہوں۔ ابوطالب کا یہہ ایک سیاسیانہ اکھڑپن تھا ورنہ اگر اُن کا دل مسلمان نہ تھا تو دنیا
میں کوئی دل مسلمان ہو نہیں سکتا۔ بہرکیف قرآن کی فصاحت و بلاغت سے تو انکار ہو ہی
نہیں سکتا تھا۔ اور پیغمبر صاحب کا اپنا سرمایۂ علمی سب کو معلوم کہ حضرت کی طبیعت تک
ناموزوں واقع ہوئی تھی اور لکھنے پڑھنے کا حال یہہ کہ وحی نازل ہوتی تو کاتب کی ڈھنڈیا
پڑتی۔ حدیبیہ کا صلحنامہ لکھا جانے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس کے کاتب تھے
اُنھوں نے لکھا هذا ما صالح علیه محمد رسول الله (یہہ ہیں وہ شرائط جن پر اللہ کے
رسول محمد نے صلح کی) اس پر فریق ثانی نے اعتراض کیا کہ محمد رسول اللہ کیسا۔ اگر ہم کو آپ
کی رسالت تسلیم ہوتی تو ہم آپ سے لڑتے ہی کیوں۔ اور خانہ کعبہ کے طواف سے روکتے
ہی کس لئے۔ محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھیئے۔ آنحضرت تو جہان تک بن
پڑتا تھا لڑائی کا پہلو بچا جاتے تھے۔ حضرت علیؓ کو ارشاد ہوا کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹادو
حضرت علیؓ نے عرض کیا والله لا امحوك ابدا (خدا کی قسم میں تو ہرگز آپ کے نام کو نہیں
مٹاؤں گا) قریب تھا کہ صلح جھنڈ ہو جائے۔ آنحضرت نے طرفین کے اصرار کو دیکھکر
حضرت علیؓ سے پوچھا اچھا وہ لفظ کس جگہ ہے مجکو بتادو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اُنگلی رکھدی
آپ نے خود اُس لفظ کو مٹا دیا۔ یعنی اتنا نہیں جان سکتے تھے کہ رسول اللہ کہاں لکھا ہے
بس کفار اعتراض تو بہتیرے کرتے تھے مگر کوئی جمتا نہ تھا۔ شاعر کہتے ہیں تو ناموزونی
طبیعت اس کا جواب دنداں شکن دے رہی ہے۔ جھوٹا بتلاتے ہیں تو یہہ شخص جھوٹے پر
لعنت کرتا ہے الا لعنة الله علی الکاذبین اور کہتا ہے کہ جو شخص جھوٹ بنائے گا قیامت کے

دن اُس کا کالا مُنھ ہوگا۔ ویوم القیمۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودۃ اور جو غلط دعوے
نبوت کا کرے گا مرتے وقت بڑی مشکل سے اُس کی جان نکلے گی ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ
کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شئ ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ ولو تری اذ الظالمون
فی غمرات الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم
تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن اٰیاتہ تستکبرون ولقد جئتمونا فرادی کما خلقنکم اول
مرۃ وترکتم ما خولناکم وراء ظھورکم وما نری معکم شفعاءکم الذین زعمتم انھم فیکم
شرکاء لقد تقطع بینکم وضل عنکم ما کنتم تزعمون۔ یہ ایسی سخت قسمیں ہیں کہ کیسا ہی آوارہ اور
بے باک آدمی ہو ایسی قسموں کے ساتھ جھوٹ بولنے پر جرات نہیں کر سکتا۔ مجنون خیال
کرتے ہیں تو اِس میں کوئی بات دیوانگی کی پائی نہیں جاتی۔ اِس کی رفتار گفتار کردار کوئی چیز بھی
تو باولوں کی سی نہیں۔ قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنٰی وفرادی ثم تتفکروا ما
بصاحبکم من جنۃ۔ غرض جتنی تہمتیں تھیں۔ پھبتیاں تھیں مگر بونگی۔ اور جو کہتے تھے
اُس کا ٹکا سا جواب مل جاتا تھا۔ مثلاً۔ ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان
الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین (ہمکو معلوم ہے کہ یہ لوگ کہتے
ہیں اِس کو کوئی آدمی سکھا جاتا ہے سو جس کی نسبت شبہہ کرتے ہیں وہ عجم کا رہنے والا ہے
اور قرآن ٹھیرا فصیح عربی تو اِن کا شبہہ بے اصل محض ہے) یہاں لفظ لسان سے بھی ظاہر
ہوتا ہے کہ استدلال کا سارا زور قرآن کی فصاحت لفظی پر تھا۔ بعضے کہتے تھے کیوں جی
قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نہیں اُترا۔ جواب ملتا تھا۔ لنثبت بہ فوادک تاکہ
پیغمبر کے دل میں جو ارشاد الٰہی ہے نقش ہوتا چلا جاوے اور لتقراہ علی الناس علی مکث اور تاکہ
پیغمبر لوگوں کو آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا پڑھ کر سنائیں۔ خیر کفار تو الغریق یتشبث بالحشیش
(ڈوبتا تنکے کا سہارا پکڑا کرتا ہے) ایسے ایسے بودے پھسپھسے احتمالات پیش کرتے تھے
اور اِدھر تحدی پر تحدی ہو رہی تھی۔ فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات (بنائی ہوئی دس سورتیں لاؤ)

فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین فان لم تفعلوا ولن
تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکٰفرین (بات کے پورے ہو تو اس
جیسی ایک سورت پیش کرو اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلالو۔
اور اگر تم نہ کر سکو اور نہیں کر سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جو بلا امتیاز آدمی اور پتھر سب کو
جلا کر بھسم کر دے گی) قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القرآن لایاتون
بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدو کہ اگر انسان اور جنات
اس بات پر یکدل ہوں کہ قرآن جیسا کلام بنا لائیں تو ہرگز بنا کر نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے
کی مدد پر کمربستہ ہی کیوں نہ ہوں) ایک بات کفار یہ بھی کہا کرتے تھے۔ واذا تتلیٰ علیھم
ایاتنا قالوا قد سمعنا لو نشاء لقلنا مثل ھٰذا۔ (اور جب ان لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر
سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہاں جی ہاں ہم نے سنا اور چاہیں تو ہم بھی ایسا کہ لیں) اور ابھی
تک اس کا اعادہ ہوا کرتا ہی مگر چودہ سو برس سے تو وہ مشیت کبھی قوت سے فعل میں نہیں
آئی۔ قرآن کی وجہ سے خون کی ندیاں دنیا میں بہ گئی ہیں اور ہزارہا کتابیں اسلام کی تردید
میں لکھی جاچکی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک صفحہ آدھا صفحہ دس سورتیں
ایک سورت بنا کر مشتہر کر دی ہوتی کہ لو قرآن کا جواب۔ دنیا آپ انصاف کر لیتی۔ اگر تمام
انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی بشمول ہمارے پیغمبر صاحب کے معجزات کے جہاں
تک کتابوں سے تحقیقات ہو سکے ایک فہرست بنائی جائے تو کوئی معجزہ قرآن کی فصاحت
کے معجزہ کو نہیں پائے گا۔ کیونکہ تمام معجزات واقعات تاریخی ہو گئے ہیں اور سوا شہادت
در شہادت کے کوئی ثبوت ان کے وقوع کا بہم نہیں پہنچ سکتا۔ مگر قرآن ایسا معجزہ مستمر
ہی کہ ہمہ وقت تازہ ہی اب بھی جن کو میرے جتنی بھی عربی آتی ہی قرآن کے معجز ہونے میں
شک و شبہہ کر نہیں سکتے۔ لیکن افسوس ہے کہ خود مسلمان چونکہ عربی نہیں جانتے اس
نعمت۔ اس کافی ذریعہ اطمینان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ معجزہ بے قدر نہیں ہی

ہمارا تمہارا ہے قرآن واحد	ہے اسلام واحد اور ایمان واحد
وہ مکہ کا گھر قبلۂ مشترک ہے	بھلا ایک ہونے میں کچھ اب بھی شک ہے

مگر اُنھوں نے عربی نہ جاننے کی وجہ سے اپنے حق میں بے قدر کر رکھا ہے۔ ایک طبیب حاذق نے اشتہار دیا کہ میرے پاس ایک ایسا اچھا سرمہ ہے کہ کور مادرزاد کو بینا کرتا ہے ہزاروں کور مادرزاد گئے اور سرمہ کی برکت سے بینا ہو کر چلے آئے۔ ایک شخص جس کی دونوں آنکھیں کٹورے کی طرح کھلی ہیں سرمہ کی تاثیر میں شک کرتا ہے تو اُس کو اس کے سوائے کیا جواب دیا جا سکتا ہے کہ یا کور مادرزاد بنکر آ اور سرمہ کی تاثیر کو آزما یا جو کور مادرزاد سرمے سے اچھے ہوئے ہیں اُن سے پوچھ۔ معجزۂ فصاحت خود بڑی قدر و قیمت کا تھا۔ مگر اس کی قدر و قیمت کو اضعافاً مضاعفہ بڑھا دیا پیغمبر صاحب کے اُمّی ہونے نے۔ ماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون بل ہو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد بآیتنا الا الظالمون۔ (اے پیغمبر تم اس سے پہلے نہ کتاب پڑھتے رہے ہو اور نہ تم کو لکھنا آتا ہے کہ جو لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں جھٹلاتے بھی بھلے لگتے یہ تو اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اور جاننے والوں کے دلوں میں ان کا اثر پڑتا ہے اور ہیکڑی کے سوائے کوئی اور وجہ ہماری آیتوں سے انکار کرنے کی نہیں) غرض شعر کے پہلے مصرع میں جو اُمّی ہے اُس سے یہ اُمّی مراد ہے اور دوسرے مصرع کا اُمّی بابی انت واُمّی۔ (میرے ماباپ آپ پر قربان) کا اُمّی ہے ۱۲

۱۔ قرآن پاک میں ہے۔ اِن اول بیت وضع للناس للتی ببکۃ مبارکا وہدی للعالمین (پہلا گھر جو اس غرض سے بنایا گیا کہ لوگ سچے ایک خدا کی بندگی کریں وہ ہی جو مکے میں واقع ہے اُس گھر میں اللہ کی دی ہوئی برکت اور ہدایت ہے اہل جہاں کے لئے) غرض شعر میں مکے کے گھر سے خانہ کعبہ مراد ہے زادہا اللہ شرفا ۱۲

ہمیں اجنبی نیچری خیر سمجھو
تھو مجتمع گر اُمومت اُبوّت
تعلق نہ ہوں یا بہت ہوں کہ تھوڑے
بہ عزیزوں سے بڑھ کر پرایا ہوا ہی

ولیکن غضب ہی اگر غیر سمجھو
بدستور قائم ہے دینی اُخوت
یہ رشتہ نہ ٹوٹے کسی طرح توڑے
یہ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہی

۵۱ - مگر نیچری سمجھو تو قرآن کی اس آیت کا خیال رکھنا - یاایہا الذین امنوا لایسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منہن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ہم الظالمون - (اے مسلمانو! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اُڑائے عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی ہنسی اُڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اُڑائیں عجب نہیں جن کی ہنسی اُڑائی جاتی ہی وہ ہنسی اُڑانے والیوں سے بہتر ہوں - اور آپسمیں کسی کی عیب جوئی نہ کرو اور لوگوں کو بُرے لقب سے پکارو مت ایمان لائے بعد بُرے کام کا نام بھی بُرا - اور جو باز نہ آئے گا تو اللہ کی نظر میں وہی ظالم ٹھیرے گا) ۱۲

۵۲ - اس سے میری مراد ہی اشارہ کرنا طرف اُس مدارات کے جو انصار نے مہاجرین کے ساتھ کی - مہاجرین اور انصار دو خطاب ہیں جو شروع شروع کے مسلمانوں کو ملے تھے اسلام تھا ضعیف اور مسلمان معدودے چند - کفار قریش مسلمانوں کو مذہبی مخالفت کی وجہ سے ستاتے اور ایذائیں دیتے تھے پیغمبر صاحب کو اپنی ہی حفاظت کی مشکل پڑی تھی اور نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا تو عیسائی مگر وہ رعایا کے دین و مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا جیسے ہماری برٹش گورنمنٹ اور یہ جو محرم و دسہرے وغیرہ مذہبی تیوہاروں میں حکام کی مداخلت دیکھتے ہو یہ سب کچھ ہماری ہی کرتوت ہی کہ ہم آپس میں فسادات کرتے اور چار و ناچار ابقائے امن کے لئے سرکار کو دست اندازی کرنی پڑتی ہی اور مجکو وہ دن دکھائی دے رہا ہی کہ عجب نہیں جمعہ و جماعت کے لئے بھی سرکار کی اجازت درکار ہونے

لگے تو یہہ ہمارا قصور ہوگا نہ سرکار کا۔ بہرکیف نجاشی بادشاہ حبشہ رعایا کے دین و مذہب سے متعرض نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ پیغمبر صاحب نے چند مسلمانوں کو اجازت دی کہ نجاشی کی عملداری میں چلے جائیں۔ جن مسلمانوں نے پہلے پہل ہجرت کی اُن میں پیغمبر صاحب کی صاحبزادی اور اُن کے شوہر حضرت عثمان بھی تھے۔ اِن لوگوں نے آرام پایا تو دوسری بار بہت سے مسلمان نجاشی کی عملداری میں جا بسے اور یہہ دوسری ہجرت تھی۔ اُدہر مکّے میں قریش کے وہی زور و ظلم چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پیغمبر صاحب کے قتل کے مشورے ہونے لگے۔ واذ یمکربک الذین کفروا لیثبتوک اویقتلوک اویخرجوک۔ (اور ایک وقت وہ بھی تھا کہ جو لوگ مذہب اسلام سے منحرف تھے ایسی تدبیروں میں لگے تھے کہ اے پیغمبر تم کو قید کردیں یا مار ڈالیں یا دیس سے نکال دیں) اور انجام یہہ ہوا کہ خود پیغمبر صاحب مکّہ چھوڑ مدینے چلے گئے۔ اور یہ تیسری ہجرت ہوئی جس سے ہجری سنہ چلا۔ اگر کبھی موقع ملا تو میں ہجرت کا بیان مسلسل کروں گا کہ وہ بڑا ہی موثر اور بڑا ہی دلچسپ ہی۔ پیغمبر صاحب کا مدینے میں آنا تھا کہ سب مسلمان آ ہی اپنی جگہ سے مدینے میں آسمٹے۔ اور یہہ لوگ مہاجرین کہلائے۔ ہجرت نبوی سے پہلے مدینے میں اسلام جڑ پکڑ چکا تھا۔ اِن لوگوں نے مہاجرین کی ایسی مدارات کی کہ کیا کوئی عزیز اپنے کسی عزیز کی کرے گا۔ اُس وقت سارا عرب مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کو پناہ دینا اہل مدینے کے عقیدے کی مضبوطی کی بڑی مضبوط دلیل ہی۔ واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاٰوٰکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات۔ (اور وہ دن یاد کرو کہ تم تھوڑے تھے اور ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور اِس کا ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ تم کو اچک نہ لیجائیں تو خدا نے تمھارا ٹھکانا کردیا اور اپنی مدد سے تمھاری تائید کی اور تم کو اچھی روزی دی) مہاجرین بے سر و سامان تو تھے ہی پیغمبر صاحب نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرا دیا تھا

انصار نے اِس مواخاۃ کو جس عمدگی کے ساتھ نباہا اُس کی بہت سی حکایتیں کتبِ سیر و احادیث میں منقول ہیں۔ مثلاً یہ کہ ابتداے آمدِ مہاجرین سے پیغمبر صاحب پر برابر انصار کا یہ تقاضا رہا کہ ہمارے مسلمان بھائی مہاجرین بے سر و سامان ہیں۔ اور ہم لوگ باغات رکھتے ہیں آپ اِن باغات میں ہم کو اور مہاجرین بھائیوں کو برابر کا شریک کر دیجئے۔ آنحضرت نے اِس کو قبول نہیں کیا۔ مہاجرین و انصار میں مواخاۃ ہوئی تو عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع بھائی بھائی بنے۔ سعد نے عبد الرحمن سے کہا کہ تم ٹھیرے بے کس و کو اور بے مقدور اور مجھکو خدا نے مال بھی دیا ہی اور ایک چھوڑ دو دو بیبیاں۔ ایسا کرو کہ مال میرا تمھارا آدھا آدھا اور جس بی بی کو کہو میں تمھارے لئے اُس کو طلاق دے دوں۔ عبد الرحمن نے کہا کہ یہ سب تمھاری مہربانی ہی۔ مجھکو صرف بازار بتادو۔ میں آپ اپنی اب حالت درست کر لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک انصاری کی وہ حکایت مجھکو کبھی بھولتی ہی نہیں کہ پیغمبر صاحب کے پاس کوئی مہمان آیا۔ آپ نے اپنے گھروں میں دریافت کیا تو معلوم ہوا مہمان کے لئے کچھ موجود نہیں آخر ایک انصاری اُس کو لے گیا۔ لے جاتے تو لے گیا مگر اُس کے ہاں بھی صرف بچوں ہی کا آسرا تھا اور بس۔ کمال تو یہ کیا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیا۔ اور چراغ کو کر دیا ٹھنڈا۔ مہمان کے ساتھ آپ خالی مُنھ چلاتا رہا۔ اور مہمان اکیلا کھایا کیا۔ اِس طرح ایک مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کے کام آتا تھا تب کہیں جا کر دین قائم ہُوا تھا۔ اگر کہیں خدا نخواستہ ہمارے جیسی آپا دھاپی ہوتی تو آج اسلام کا کوئی نام بھی نہ جانتا۔ پیغمبر صاحب نے جو مہاجرین اور انصار کا ایسا ربط ضبط دیکھا تو مہاجرین کو انصار کا وارث ٹھیرا دیا۔ یعنی کوئی انصاری مرتا تو اُس کا بھائی مہاجر اُس کے عزیزوں کی طرح اُس کا ترکہ پاتا۔ جب مہاجرین کے پیر پڑے درست ہو گئے

یہ رشتہ جو اللہ صاحب نے جوڑا — تو لوگوں نے اس کے لئے سب کو چھوڑا
وطن چھوٹے اور مال و اسباب چھوٹے — زن و خویش و فرزند و احباب چھوٹے
قرابت یہ تھی کس ثنا و صفت کی — کہ بنیاد تھی دینوی سلطنت کی
اسی نے جماعت نئی اک بنائی — لگی پھرنے دنیا میں اُن کی دُہائی
گدا تھے مگر بادشاہ ہو گئے وہ — تھے بندے ولیکن خدا ہو گئے وہ
اُخوت پہ موقوف ہیں کام سارے — ہم آئے ہیں تم تک اسی کے سہارے
مسلمانوں کی جیسی حالت ہے ابتر — لکھے جا چکے اُس کے دفتر کے دفتر

تب یہ آیت نازل ہوئی۔ واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المؤمنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیآئکم معروفا۔ (مسلمانوں اور مہاجروں کے مقابلے میں ناطے والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر یہ کہ اپنے دوستوں کے ساتھ تم سلوک کرنا چاہو) اس کے بعد سے وراثت مواخات موقوف ہوئی۔ اور شعر میں یہ جو کہا ہے۔ یہ ناطہ خدا کا لگایا ہوا ہے۔ تو اس کی سند یہی مواخات جو پیغمبر صاحب نے انصار اور مہاجرین میں کرادی تھی اور قرآن میں بھی ارشاد ہے۔ انما المؤمنون اخوۃ۔ (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ۱۲

۵۱۔ للفقرا ر المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون (مال غنیمت میں سے رسول کا حصہ اُن محتاجوں کا ہے جو مہاجرین کہلاتے ہیں جو اپنے وطن اور مال سے بے دخل کر دیئے گئے ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ہیں سچے مسلمان) ۱۲

۵۲۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (جو لوگ تم میں سے

نہ محتاج اظہار و ذکر و بیاں ہے — کہ جو کچھ حقیقت ہے سب پر عیاں ہے
ذرا دیکھئے کیا سے کیا ہو گئے ہم — سبب کیا؟ کہ باہم جدا ہو گئے ہم
سمجھتے بھی ہو کچھ کہ کیا ہے اُخوت — یہی ہے یہی ہے یہی اصل قوت
یہ بام ترقی پہ اُڑنے کا پر ہے — یہی فوج و لشکر یہی زور و زر ہے
یہی قوم کی جان روح رواں ہے — یہی جسم قومی کی تاب و تواں ہے
الٰہی ہمیں بھی اُخوت عطا کر — دکھا اپنی قدرت سے مردے جلا کر
خدا نے رسول عرب کو جو بھیجا — لگا کہنے کفار کے سر میں بھیجا
کہ ہم میں سے بعضے بڑے آدمی ہیں — مگر وہ رسالت کے شایاں نہیں ہیں؟
خدا اگر کسی کو پیمبر بناتا — تو جبریل ان میں کسی پاس آتا
جب اس پاس کچھ مال و دولت نہیں ہے — تو اس کی رسالت رسالت نہیں ہے

ایمان لے آئے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اللہ نے اُن سے وعدہ کر لیا ہے کہ جس طرح اگلے لوگوں کو ملک کی خلافت یعنی سلطنت دی تھی اِن کو بھی سلطنت دے گا اور جس دین کو اُن کے حق میں پسند کیا ہے اس کو بھی ثبات دے گا اور اِن کے ڈر کو اطمینان سے تبدیل کرے گا) ۱۴

۵۱۔ پیغمبر صاحب پر کافر اعتراض تو بہتیرے ہی کیا کرتے تھے مگر جواب بھی ایسے سنتے تھے کہ اُن کا جی ہی جانتا ہوگا۔ منجملہ اعتراضات کے اس مقام پر دو اعتراضوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک تو یہ کہ جزیرہ عرب میں مکہ اور مدینہ یہی دو شہر مشہور ہیں اور اِن میں ہر طرح کے آدمی بستے ہیں۔ سبب کیا کہ خدا نے پیغمبری کے لئے اِن کو اختیا کیا اور بڑی بڑی لمبی چوڑی عزت والوں کو محروم رکھا۔ لولا نزل ہذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ دوسرا اعتراض گستاخی میں اس سے بھی بڑھا ہوا تھا کہ جو فضیلت پیغمبر صاحب کو عطا ہوئی ہے۔ ہم کو بھی ملے تو ہم ایمان لائیں۔ مطلب یہ کہ ہم پر بھی وحی نازل ہو

خدا نے کہا تم ہو شدت سے احمق — نہیں تم کو فہمید سے بہرہ مطلق
رسالت نہیں ہی مگر فضل باری — یہ انعام ہے محض رحمت ہماری
اسے دیتے ہیں اہل پاتے ہیں جس کو — ذرا تم تو درمیان سے دور کھسکو
ہمارے یہاں بخل و خسّت نہیں ہی — یہ ہر شخص شایانِ منّت نہیں ہی
بنی نوع انسان ہیں سب برابر — مگر کوئی ہیرا ہی اور کوئی کنکر
برستا ہی[۵۱] مینہ سارے روئے زمیں پر — کہیں پھول اُگتے ہیں کانٹے کہیں پر
ہر[۵۲] اک امر طے ہو چکا ہے ازل میں — کہ کیا کس کو کرنا ہے دار العمل میں
دکھاتا ہی قدرت کے اپنی نمونے — مگر بھید پایا نہ اُس کا کسو نے

لن نومن حتی نوتی مثل ما اوتی رسول اللہ۔ سو جس طرح نظم میں دونوں اعتراض ایک جگہ بیان ہوئے اسی طرح دونوں کے جواب ایک ساتھ مذکور ہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب ہی۔ اہم یقسمون رحمتہ ربک۔ (کیا لگے اللہ کی رحمتوں کو آپ تقسیم کرنے) اور دوسرے اعتراض کا جواب ہی۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (اللہ کو خوب معلوم ہی کیسی جگہ رسالت کو ودیعت رکھتا ہی ہم دنیاوی برکتوں اور رحمتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا کے علم و ارادے سے لوگوں میں تقسیم ہوئی ہیں۔ ورنہ اپنی بہتری کے لئے کون کوشش نہیں کرتا تو منصب رسالت بدرجہ اولیٰ ۱۲

۵۱۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ✦ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ✦ فیضان رحمت الٰہی یکساں ہی۔ مگر ہر ایک کا مادہ قابل مختلف ۱۲

۵۲۔ حدیث شریف میں آیا ہی السعید من سعد فی بطن امہ والشقی من شقی فی بطن امہ۔ یعنی سعادت و شقاوت عالم کون و فساد میں آنے سے پہلے فی علم اللہ مقرر ہو چکتی ہی۔ اور پھر ہر شخص دنیا میں اگر اُسی کے مطابق عمل کرتا ہی۔ ایک دوسری حدیث اور بھی ہی جس کا مطلب یہ ہی کہ ایک آدمی اہل جنت کا سا عمل کرتا رہتا ہی یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک بالشت کا فصل رہجاتا ہی مگر چونکہ اللہ کے علم میں وہ شقی ٹھیر چکا تھا۔ کوئی گناہ ایسے

۵۱
بد و نیک دونوں کا دیکھو تماشا
جو بالفرض بد ہے ہمیں اُس سے کد کیا
بہر کیف اُسی کی تھی اک شان یہ بھی
کہ جب حدِ غایت کو پہونچی تباہی
خدا نے کیا ہم میں اک شخص پیدا
ہوا اسلام کا بول بالا کسی ڈھب
جو ہو حُبِ قومی میں ہر وقت شاغل
یہ بے دیں ہی یا کہ دیں دار ہے یہ
نہ وہ مہر پوجے ہیں پتھر کسی نے
سخن قوم کا قوم سے ہی سخن ہے
نہ کیونکر رہے ہر گھڑی دل فسردہ
سُنے ہیں بہت عاشقوں کے فسانے

وے یہ معمّا کبھی حل ہو جاتا!
و گر نیک ہے ہمکو اُس کا حسد کیا
کیا لطف و انعام و احساں یہ بھی
بڑھا مد دریائے رحمِ الٰہی
مسلمانوں کی قوم کا دل سے شیدا
یہی اُس کا دیں ہے یہی اُس کا مذہب
وہ بیچارہ کیا جانے فرض و نوافل
تمھارے ہی کارن دل افگار ہے یہ
مگر کی ہے قومی پرستش اسی نے
اِسے جاگتے سوتے بس ایک دھن ہے
کہ ہے عاشقِ قوم اور قوم مُردہ
جو عاشق ہو وہ عشق کی قدر جانے

ایسا سرزد ہوتا ہے کہ انجام کار وہ دوزخی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی ساری عمر دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے اور آخر کار جنتی ہوتا ہے ۱۲

۵۱ یہ بحث ہے جبر و قدر کی جس میں غور اور خوض کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کی باتیں عقل انسانی سے بالاتر ہیں اور ان میں غور کرنا اسرار حکمت الٰہی میں دخل دینا ہے۔ خواجہ حافظ لکھتے ہیں ؎

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ — تو در طریق ادب کوش و گو گناہ من ست

ایک ہندی شاعر کہتا ہے ؎ نیاو نہ کیں کین ٹھکرائی ÷ بن کینھے لکھ لین برائی یعنی انصاف تو کیا نہیں نری زبردستی کی کہ ابھی ہم سے گناہ سرزد بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے نامۂ اعمال میں لکھا گیا۔ یہ بڑی خطرناک باتیں ہیں اور تقدیر کے مسئلے میں بحث کرنے سے کفر کا خوف ہے ۱۲

مگر جب سے سرسید احمد کو دیکھا	تو سب سمجھے کہ ہاں عشق ہوتا ہے ایسا
محبت بجائے خود وش بدلا ہے	ذرا پوچھئے زال قوم ان کی کیا ہے!؟
مناسب طبیعت کے ہوتے ہیں رشتے[۱]	کہ جس طرح کی روح ویسے فرشتے
بقدر طلب گر خدا اس کو زر دے	گورنمنٹ کو یہ مسلمان کر دے
مسلماں کلکٹر مسلماں کمشنر[۲]	مسلمان ہر ایک صیغے میں افسر
یہی چیف جسٹس یہی سول جج ہوں	تو کس دھوم سے چل کے تکے میں جج ہوں
خدا نے اسے عقل دی فکر ثاقب	نتائج سمجھنے لگا اور عواقب

ھ۱ - یہ مثل قرآن سے استنباط کی گئی ہے۔ الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون الطیبات۔ (ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے) اور یہی مطلب ہے کند ہم جنس باہم جنس پرواز کا حاصل مطلب یہ کہ ممدوح کی طینت پاک تھی تو وہ مسلمانوں کی خیر خواہی کی طرف مائل ہوا۔

ھ۲ - یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ابھی حال میں ایک بنگالی صاحب بردوان کے کمشنر مقرر ہوئے ہیں تو اگر مسلمانوں میں لیاقت و قابلیت ہو ان کو بھی عہدہ ہائے جلیلہ مل سکتے ہیں مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو غیرت نہیں آتی ؎

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

اس وقت تمام برٹش انڈیا میں صرف ایک مسلمان ہائی کورٹ بنگالہ کے جج ہیں اور بس۔ بنگال۔ مدراس اور بمبئی تینوں پریذیڈنسیوں میں ایک شرف بھی مسلمان نہیں۔ اور دادا بھائی نوروجی جب مرتبہ عالی پر پہونچے سب کو معلوم ۱۲

تو دیکھا مسلمان ہیں بیٹے میں سب ہیں
جگر جل گیا ہو گئے دل کے ٹکڑے
لگا رونے بالائے سر ہات رکھکر
تفحص کیا کیا ہی؟ کیونکر ہی؟ کیوں ہی؟
کھلی آخرش وجہ پستی حالت
زمین بدلی بدلا ہوا آسماں ہے
یہ ریلیں سٹیمر کلیں تار برقی
کوئی روز شاید کہ جاتا ہو خالی
نہ کرتے ہوں اک تازہ ایجاد کوئی

مگر آ گئے ہیں خدا کے غضب[۵۱] میں
پھر وہ دردی جو کرے سِل کے ٹکڑے
وہ اور بیٹھتا ہات پر ہات رکھکر
کہ دنیا میں اسلام خوار و زبوں ہی
جہالت! جہالت!! جہالت!!! جہالت!!!!
زمانہ کی اگلی سی حالت کہاں ہے
بھلا اُن کو کیا جانیں ہم لوگ شرقی
کہ یورپ کے لوگوں کے اذہان عالی
ہی تم میں بھی اے قوم ناشاد کوئی

۵۱ - قرآن میں غضب کا لفظ صرف قوم یہود کی نسبت آیا ہی - ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس وباؤ بغضب من اللہ وضربت علیہم المسکنۃ - (ان پر لازم کردی گئی ذلت کہیں بھی ہوں مگر اللہ اور لوگوں کے سہارے سے اور آ گئے اللہ کے غضب میں اور لازم کردی گئی ان کو خواری) سو یہود کا کیا حال ہی کہ روئے زمین کے ایک چپے پر اِن کی سلطنت نہیں جہاں ہیں ذلیل و خوار گویا زمین اِن کو قبول نہیں کرتی اور اِس وقت کے مسلمانوں کا حال یہود سے بہت باتوں میں مشابہ ہو گیا ہی اور ہوتا چلا جاتا ہی ویسے ہی مذہبی تعصبات ہیں ویسی ہی بداقبالی ہی - انا للہ وانا الیہ راجعون ۱۲

۵۲ - اشارہ ہی اِس بات کی طرف کہ سید احمد خان نے ولایت سے واپس آکر علی گڈھ محمڈن کالج کھولنے سے پہلے ایک مضمون مشتہر کیا کہ مسلمان انگریزی تعلیم سے کیوں متنفر ہیں اور اِس مضمون کے جوابوں پر انعام تجویز کئے - جواب مضمون کے بہت رسالے لوگوں نے لکھے اور آخر کار ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے اپنے کالج کی ضرورت ہی ۱۲

وہی جانور ہیں وہی ہیں صفیریں
سرِ چشمۂ[۵۱] آبِ حیواں پیاسے
گئے وقت شمشیر و تیر و تبر کے
گورنمنٹ[۵۲] کے کالجوں پر نظر کی
یہ ٹھیری کہ کیوں بارِ منت اُٹھائیں
مگر اپنا کالج بنائیں تو کیسے
مُسلمان کھتے ہیں ہانکے پکارے
یہ تعلیم ہے دین و مذہب کی دشمن
جو کالج میں دینے کو سمجھے اکارت
جو کہتے ہیں بے سود مطلق ہے کالج
وہ دشمن خدا کا وہ دشمن نبی کا
غرض اہل اسلام میں ایک یہ ہیں
کہاں یہ لیاقت کہ دولت کمائیں
پھر آئی بھی گر مفت کی ہات دولت
نہ شرم و حیا ہے نہ غیرت نہ دیں ہے

مسلمان۔ اور اپنی پرانی لکیریں
سبب کیا ہے؟ کہ لڑتے ہیں احمق خدا سے
بس اب دور دورے ہیں علم و ہنر کے
تو پیٹر کی بولے جو پوچھی عمر کی
مُسلمان آپ اپنا کالج بنائیں
کہاں پائیں اِس کے لئے نقد پیسے
کہ تعلیم کے نام سے جلتے انگارے
دیا اور بنے نارِ دوزخ کے ایندھن
وہ اتنے کا اتنا ہی ہو جائے غارت
گرے ایسے بہکانے والوں پہ فالج
ہمارا تمہارا خود اپنا سبھی کا
بدوں کا تو کیا ذکر ہے نیک یہ ہیں
خوشا وقت اُن کے کہ میراث پائیں
تو عقل و خرد ہو گئی سر سے رخصت
بس اک آپ ہیں اور دیو لعیں ہے

۵۱۔ تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را۔ ۱۲

۵۲۔ سلسلۂ سخن کے لئے مضمون کو یوں منتظم کرو کہ جب مسلمانوں کی پستی حالت کی وجہ اِن کی جہالت ثابت ہوئی تو خیال آیا کہ سرکار نے تعلیم کا بڑا بھاری انتظام کر رکھا ہے۔ جگہ جگہ سکول ہیں۔ کالج ہیں یونیورسٹیاں ہیں غرض سامانِ تعلیم بہتیرا کچھ مہیا ہے۔ لیکن ان میں ایک نقص ہے جس کو آگے بیان کیا ہے۔ ۱۲

ہوا و ہوس نے جو ڈالے ہیں پھندے
تعلق نہیں اِن کو مطلق خدا سے
تو ایسوں سے کالج کا قائم کرانا
مگر اِس نے ہمت۔ خدا نے مدد کی
فقط عزمِ صادق کے ہیں یہ نتیجے
پسیجے و لیکن سسکتے سسکتے
سو کالج کی حالت ابھی ڈانچ کی ہے
غضب ہے کہ مسجد پڑی ہے ادھوری
نہ دیوار ہے اور نہ چھت ہے نہ در ہے
نہیں[1] کھٹے مسجد بنا کر تو دیکھو
یہ مسجد اور اللہ کی شان اونچی
ٹھکانا نہیں ہے کہیں بورڈر کا
بہت سے ہیں تعلیم پانے کے لائق
و لے دسترس اُن کو مطلق نہیں ہے
کوئی لے چلو ہم کو کندھے پہ چڑھا کر

بوس ہو گئے عیش و عشرت کے بندے
اگر قوم مٹ جائے اِن کی بلا سے
جوئے شیر کا تھا حقیقت میں لانا
جلا کی پڑی آگ رشک و حسد کی
کہ آخر مسلمان ریجھے پسیجے
زبان و دہاں تھک گئے بکتے بکتے
بنی کیمیا پر کسر آنچ کی ہے
تپاؤ ضروری ہے پانا ضروری
وہ کن کا خدا ہے کہ جس کا یہ گھر ہے
پر اپنے گھروں سے ملا کر تو دیکھو
وہی پھیکا پکوان دوکان اونچی
وہ بے چارے نے گھاٹ کا اور نہ گھر کا
لکھانے پڑھانے سکھانے کے لائق
تو کیا قوم پر اُن کا کچھ حق نہیں ہے
کہ ہم تھک گئے نصف منزل پہ آ کر

[1] یعنی یوں تو مسجد کے بنانے والوں کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ جو اللہ کے لئے دنیا میں مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں ایک گھر بنوا دے تو خیر اِس بشارت پر عمل کرنے کو چاہیے حُسنِ عقیدت مگر اتنا تو کرو کہ اللہ کے اِس گھر کو جو علی گڈھ محمڈن کالج میں ہے یعنی مسجد کو اپنے گھروں سے مقابلہ کر کے دیکھو کہ تمہارے گھر اچھے ہیں یا یہ خدا کا گھر جس کی نہ دیوار ہے اور نہ چھت ہے نہ در ہے ۱۲

بہت پاؤں پیٹے بہت ہاتھ مارے ۔ ہو خضر بیڑا لگادو کنارے
لب بام دور اور کمند اپنی چھوٹی ۔ کہاں تک کفایت کرے اک لنگوٹی
بہت آرزوئیں ہیں ارمان بہت ہیں ۔ ابھی ہمکو درکار ساماں بہت ہیں
یہ جی چاہتا ہے کہ کالج ہمارا ۔ ہو تعلیم کا اک چمکتا ستارا
کہ ہم کو ترقی کا رستہ دکھائے ۔ ہمیں اہل یورپ کا ثانی بنائے
دلوں کو خوش و خرم و شاد کردے ۔ اس اجڑے نگر کو پھر آباد کردے
یہ کھیتی جو مدت سے سوکھی پڑی ہے ۔ لگے لہلہانے کھڑی یا پڑی ہے
نہ اس کی سی اعلےٰ عمارت کہیں ہو ۔ جو کالج کی خوبی ہو وہ سب یہیں ہو
پروفیسر اس کے گرجتے برستے ۔ اگر ڈبل پے پر بھی مل جائیں سستے
ہر اک فن میں ہو ان کا کامل بصیرت ۔ ہوں انگریز لیکن مسلمان سیرت
ہر اک بورڈر پاس ایسا مکاں ہو ۔ کہ آسائش جسم و آرام جاں ہو
بہت لوگ ہیں ہم کو مسرف بتاتے ۔ پرائے کاش وہ اصل مطلب کو پاتے
ہمیں پاس اسلام کا آپڑا ہے ۔ کہ اس کا خدا رکھے رتبہ بڑا ہے
تو جو چیز اسلام کے نام کی ہو ۔ وہ ایسی ہی عزت کی اور کام کی ہو
نہیں ہم کہ ہو جائیں خوش دال کھاکر ۔ اگر ہم جئیں گے تو تر مال کھاکر
بہت دور ہیں ہم نراسوں کی آسیں ۔ بجھیں اُدھر سے روزہ داروں کی پیاسیں
رہیں گے تو ہم ہو کے برتر رہیں گے ۔ وگرنہ اسی رنج میں مر رہیں گے
اگر چند شخصوں نے زحمت اٹھالی ۔ اور آخر کو بالفرض ڈگری[۵۲] بھی پالی
لگی نوکری خوب کھایا کمایا ۔ مگر قوم نے ان سے کیا نفع پایا
یہ سب مدرسے ہیں فضول اور زوائد ۔ کہ شخصی منافع ہیں ذاتی فوائد

۵۱ ۔ وہ چند تنخواہ ۱۲ ۔ ۵۲ ۔ درجۂ فضیلت جیسے بی اے۔ ایم اے وغیرہ ۱۲

رہے ہم تو ویسے ہی بدتر کے بدتر — بنائیں گے یہ قوم کیا خاک پتھر

نہیں سکھتے ہم مت پڑھاؤ۔ پڑھاؤ — مگر دوستداران امت بناؤ

دلوں میں پھر ان کے اونچے ارادے — کرے بندے سے تجکو نیکی خدا دے

حمیت وہ اسلام کی جوش مارے — کہ سب ساتھیوں کو لگا دے کنارے

ہماری غرض اور غایت یہی ہے — ہمارے سفر کی نہایت یہی ہے

تو فرمایئے کس کی منزل کڑی ہے — ہمیں قوم کی۔ اِن کو اپنی پڑی ہے

ہمارے اور اِن کے طریقے جُدا ہیں — کہ ہم عرش پر اور یہ تحت الثریٰ ہیں

اگرچہ[ط١] ابھی کورس میں منحصر ہیں — مگر ہم فقط وقت کے منتظر ہیں

دکھائیں گے گر پا گئے مال و زر ہم — اُڑیں گے۔ نکالیں گے جب بال و پر ہم

ہو کالج میں یہ امر باشان مُہتم — کہ تعلیم پر تربیت ہو مقدم

سٹوڈنٹس پر ایسی حاوی نظر ہو — کہ گر خواب دیکھیں تو سب کو خبر ہو

وہ ڈسپلن اور ضبط اوقات سیکھیں — شریفانہ طرزِ مدارات سیکھیں

ہو عنوان خط جُوں لفافے سے ظاہر — طبیعت کی نیکی قیافے سے ظاہر

جو دل میں ہو۔ صاف اُس کا اظہار کر دیں — خطا ہو گئی ہو تو اقرار کر دیں

ہو قومی محبت دلوں میں سمائی — وہ اسلام کے نام پر ہوں فدائی

کیا ہو جو کالج نے ہموار ان کو — کریں اپنے بیگانے سب پیار اِن کو

نمونے ہوں شاگرد و اُستاد دونوں — تو پھر دین و دنیا ہوں آباد دونوں

کچھ ایسا وقار اُن میں آیا ہو بڑھ کر — کہ آپ اپنی عزت کریں سب سے بڑھ کر

ہو گر حاصل مسند آمد کسی کی — نہ بن آئے اُن سے خوشامد کسی کی

مطیع اولی الامر و منقاد ہوں وہ — رعایائے محکوم و آزاد ہوں وہ

ط١ - یعنی علی گڈھ محمڈن کالج کی پڑھائی وہی ہے جو دوسرے کالجوں میں ہے ۱۲۔

نہ نشو و نمش مغز و دم ہو کے نکلیں — سپاہی اور اہل قلم ہو کے نکلیں
نہ محنت مشقت سے جانیں چرائیں — نکل جائیں کوسوں جو چلنے پر آئیں
رہی ہے جو مشاقی صبح خیزی — طبیعت میں جودت حواسوں میں تیزی

۵۱۔ جب سے مسلمانوں کی روئی دھنکی جانی شروع ہوئی یعنی جب سے رفارمر پیدا ہوئے (اور بوڑھے ہیں تو کیا ہی رفارم کے لحاظ سے ابھی بچے ہی ہیں۔ ہمارے سامنے جنم لیا اور ہمارے ہی سامنے بولنا سیکھے) تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مذہبی اوہام اور تعصبات ان کو دنیا میں پنپنے نہیں دیتے۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان کو انگریزوں سے اور ہر چیز سے جو انگریزوں کو چھو گئی ہو نفرت اور گریز ہے۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ مگر سے بیر باندھ کر دریا میں رہنا چاہتے ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ علوم جدیدہ سے جو شرط زندگی قرار پا گئے اور پائے چلے جاتے ہیں ناواقف محض ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ یہ کم ہمت بلکہ بے ہمت اور کاہل ہیں۔ تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ ان میں خودغرضی اور پھوٹ اور نااتفاقی ہے۔ غرض تب سے اور صرف تب ہی سے معلوم ہوا کہ مسلمان چیونٹیاں بھرے کباب ہیں۔ معلوم ہوئے پیچھے جن کے دلوں میں قومی ہمدردی اور اسلامی محبت تھی بعض اپنے دلی تقاضے سے اور بعض دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنی اپنی جگہ رفارم کی تدبیریں کرنے لگے۔ جگہ جگہ مدرسے بن گئے۔ انگریزی کلاسوں میں مسلمانوں کی شکلیں دکھائی دینے لگیں۔ بعض نے ڈگریاں اور ڈگریوں کے ساتھ نوکریاں بھی پائیں بعض نے میرے خلاف رائے انگریزی طور طریقے بھی اختیار کر لئے۔ کتنی انجمنیں بن گئیں۔ کتنی سوسائٹیاں کھڑی ہو گئیں۔ اخباروں کی حالت ورنیکولر لٹریچر (زبان اردو کی انشا پردازی) کی ٹون (لے) بدل گئی۔ مذاق پلٹ گئے۔ سروں میں اور ہی طرح کے خیالات گونجنے لگے۔ غرض رفارم کی لائیں (رستے) ہیں کچھ بلکہ سب مجھے کھنا چاہیے

بہت کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ اور بیمار مختصر کچھ سنبھلتا چلا ہے۔ مگر ایک بات ہے جس پر رفارمروں نے پورا پورا زور نہیں دیا۔ اور مسلمانوں کے کان اُس کے لیئے اچھی طرح سے نہیں کھولے گئے وہ کیا ہے؟ مارشل سپرٹ (سپاہیانہ مزاج) میں اِس کو قوم کی لائف (زندگی) سمجھتا ہوں۔ یہ ہے تھرمامیٹر اِس امر کی شناخت کا کہ قوم مرگئی یا زندہ ہے۔ ور زندہ ہے تو اُس میں کتنی جان ہے۔ قوموں کا عروج اور تنزّل ایک معمولی بات ہے۔ اور جب سے دنیا کا آغاز ہے تب ہی سے اِس انقلاب کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مگر تاریخ ہم کو پورا پورا الیقین دلا سکتی ہے۔ کہ مارشل سپرٹ ہی اِس انقلاب کا فیکٹر (مدار و معیار) رہی ہے۔ اسلام نے بھی اِسی نیچرل قاعدے سے ترقی کی تھی۔ یعنی اُس وقت کے مسلمانوں میں مارشل سپرٹ بڑے زوروں پر تھی۔ پھر جب وہ سلطنت پاکر عیش و آرام میں پڑ گئے۔ مارشل سپرٹ کم ہوتے ہوتے سلطنت اِن کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اب جو کہیں کہیں کسی قدر برائے نام باقی ہے۔ چونکہ مارشل سپرٹ سے اُس کو کافی مدد نہیں ملتی اِس کا بقا بالکل بھروسے کے قابل نہیں۔ علیٰ شفا جرف ہار۔ (کنارے پر نیلی ڈھانگ کے جس کو دریا کاٹتا چلا جا رہا ہے) ع اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند ❊ لیکن کیا سلطنت کے ساتھ ہمکو مارشل سپرٹ سے بھی صبر کر لینا چاہئے۔ اگر ایسا کریں اور افسوس ہے کہ ہم ایسا ہی کر رہے ہیں تو اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم پرسوں کے مٹنے کل اور کل کے مٹتے آج اور آج کے مٹنے اب ابھی مٹنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم میں سے مارشل سپرٹ نکل گئی تو رفارم کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکے گی۔ مارشل سپرٹ کے نکلے پیچھے ہم میں نہ غیرت باقی رہے گی نہ حمیت نہ سلف ریسپکٹ (خودداری) نہ سلف ہلپ (آپ اپنی مدد) نہ ترقی کی لگ دگ ہی۔ یہ امن جو ہم کو برٹش گورنمنٹ کے ظلّ عاطفت میں حاصل ہے چپکے چپکے مارشل سپرٹ کو گھٹاتا اور کمزور کرتا چلا جا رہا ہے۔ اور مارشل سپرٹ کے گھٹنے اور کمزور ہونے کے آثار ہم مترتب ہو چلے ہیں۔ نہ ہم میں وہ اگلی نسلوں کی سی توانائیاں ہیں نہ ویسی بھرتی ہے

نہ ویسی جفاکشی ہے۔ نہ ویسے دل مضبوط ہیں۔ غرض ہم مسلمانوں کی مارشل سپرٹ سیکڑوں برس سے روبہ انحطاط ہے۔ ہم اپنے زمانہ سلطنت میں مزے سے پڑے اینڈا کئے اب اس عہد عافیت مہد میں مارشل سپرٹ ایسی غفلت کی نیند پڑی سورہی ہے کہ بیچاری کو کروٹ بدلنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ آدمی تو آدمی ہم دیکھتے ہیں دیوار پر جس زور سے گیند مارو اُسی زور سے دیوار گیند کو اُچاٹ دیتی ہے۔ یعنی جمادات تک میں ایک قسم کی مارشل سپرٹ ودیعت رکھی گئی ہے اور جانوروں میں تو ظاہر بات ہے کہ چیونٹی پر پاؤں پڑجاتا ہے تو وہ بھی اُلٹ کر کاٹنے بدوں نہیں رہتی۔ گو آخر کار دب کر اُس کا کچلا ہی کیوں نہ ہوجائے کیا عقل جائز رکھ سکتی ہے کہ ایک قوت ایک ضروری اور بکار آمد قوت جو حافظ نظام دنیوی ہے جمادات کو ملے نباتات کو ملے۔ حیوانات کو ملے۔ اور انسان اشرف المخلوقات کو نہ ملے۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے۔ یہی مارشل سپرٹ انسان کا ہتیار ہے سرکار نے بہ تقاضائے مصلحت انتظامی ہم لوگوں سے ہتیار لے لئے ہیں مگر یہ ہتیار یہ مارشل سپرٹ کا ہتیار نہ ہم سے لیا جاسکتا تھا اور نہ سرکار نے اس کے لینے کا قصد کیا بلکہ استحقاق حفاظت خود اختیاری کا تسلیم کیا جانا اس سلاح کے رکھنے کا لیسنس ہے۔ اگر صرف خواص کے برتنے پر رہتی تو مارشل سپرٹ اب تک کبھی کی مسلمانوں میں سے ناپید ہوگئی ہوتی۔ مگر ہم اپنے عوام کے بہت شکر گزار ہیں کہ اُن کی بدولت یہ چراغ ابھی تک ٹمٹمارہا ہے۔ اگرچہ ہم اُن کو سخت ملامت بھی کرتے ہیں کہ وہ اس قوت سے اکثر نہایت نانہایت طور سے کام لیتے ہیں۔ مارشل سپرٹ فی نفسہ بڑی عمدہ چیز ہے اور اس میں بُرائی ہے تو یہی ہے کہ وہ نااہلوں کے بس میں پڑی ہے۔ اگر اس بُرائی کی نظر سے مارشل سپرٹ کے دبا دینے اور کچل دینے کی صلاح دی جائے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے بعض لوگ تعلیم نسواں کے مخالف ہیں اس خیال سے کہ ایسا نہو کہ مستورات لکھنے پڑھنے کی قوت سے نامناسب کام لیں۔ تو کیوں نہیں ہاتھ خشک کردیئے جائیں کہ ایسا نہو کسی کو ماریں

کیوں نہیں آنکھیں پھوڑ دی جائیں کہ ایسا نہ ہو نظر بُری جگہ پڑے۔ اگر مارشل سپرٹ کو عوام بُرے طور پر کام میں لاتے ہیں تو اس کا الزام کس پر ہے؟ خواص پر۔ جن کی مارشل سپرٹ آرام طلبی اور بزدلی اور کاہلی کی وجہ سے منطفی ہو گئی ہے۔ اور وہ اس کو ریوائیو (دوبارہ زندہ) بھی نہیں کرنا چاہتے اور نہ عوام کے لئے تعلیم کا سامان بہم پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو نیک و بد کی تمیز ہو۔ مارشل سپرٹ لوگوں کے اسٹمیٹ (اندازہ) میں ایسی ذلیل ہو گئی ہے کہ وہ اس کو عیب سمجھنے لگے ہیں دونوں مرتبت شرافت۔ اور جب تک وہ صرف عوام کے ہاتھ میں ہے بے شک عیب ہے۔ اور دوں مرتبت شرافت بھی ہے۔ لیکن میں جہاں تک غور کرتا ہوں جتنے رفارم سوچے جاتے ہیں مارشل سپرٹ کا ریوائیو اور رفارم کرنا سب پر مقدم ہے۔ ہر چند یہ محل پولیٹیکل باتوں کے بیان کرنے کا نہیں ہے۔ اور نہ میں ان معاملات میں رائے زنی کی لیاقت رکھتا ہوں۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب بھی مسلمانوں کو اگر کچھ یوں ہی سی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو اسی مارشل سپرٹ کے لحاظ سے۔ کیا شمار۔ کیا دولت۔ کیا لیاقت کل اعتبارات سے ہم ایسے ضعیف ہیں جیسے مچھر۔ مگر مارشل سپرٹ کا ایک ذرا سا ڈنک ہمارے پاس ہے گو وہ سانپ اور بچھو کا سا ڈنک نہیں ہے مگر ذرا کی ذرا بے چین کرنے کے لئے کافی ہے۔ جو شخص اخبار پر نظر رکھتا ہے وہ جان سکتا ہے کہ یوروپین پورز (سلطنت ہائے یوروپ) میں کس درجے کا محاسدہ ہے۔ ہر چند بعض صلح پسند سٹیٹسمن (منتظمان ملک) کی تدابیر سے یہ آگ دبی ہوئی ہے۔ لیکن کیا جانیں کب بھڑک اُٹھے گی۔ اگر خدانخواستہ بھڑکی تو مسلمان نرے تماشائی نہیں ہوں گے۔ لیکن کون مسلمان؟ وہی جن میں مارشل سپرٹ ہے۔ نہ ہم بنئے لکھنی چند کہ جن میں کا ایک میں ہوں۔ باوجودیکہ نو برس حیدرآباد رہ آیا ہوں۔ اور یہ میری عمر ہے مگر آج تک اپنے ہاتھ سے بندوق چھوڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مارشل سپرٹ کے اعتبار سے اس کو چاہو میری عمر کے کارناموں میں گن لو کہ میں بندوق کی آواز سے ڈرتا نہیں۔ مگر ہاں چونک تو پڑتا ہوں۔ اور یہ ہمت بھی

اس سے ہوئی ہی کہ ہمارے یہاں ہر روز ایک چھوڑ دو دو توپیں چلتی ہیں۔ دوپہر کی ایک اور رات کے ساڑھے نو بجے کی ایک۔ مارشل سپرٹ کو جیتا جاگتا رکھنے کے لئے گورنمنٹ کی پالیسی (منشا) کے لحاظ سے جو ہم کر سکتے ہیں اور جو ہمکو کرنا چاہیئے یہی ہی کہ ہم مردانہ وار کھیلوں کو تعلیم کا کمپلسری سبجکٹ (مضمون جبری) قرار دیں۔ جیسا کہ ہم نے علی گڈہ محمڈن کالج میں کر رکھا ہی۔ اس سے مسلمان لڑکے ڈل (احدی) اور آئیڈل (سُست) نہیں ہونے پائیں گے۔ ان کی صحت بدنی محفوظ رہے گی۔ آیندہ نسلیں توانا اور چونچال ہوں گی بالفعل یہ لوگ بلّے اور گیند سے کھیلیں گے اور آیندہ شاید ایسے مواقع پیش آئیں کہ بلّے کی جگہ تلوار اور گیند کی جگہ سر۔ مگر کن کے؟ دشمنان برٹش گورنمنٹ کے۔ غرض سپاہی اور اہل قلم سے میری مراد یہ تھی جو میں نے بیان کی ۱۲

نہ شطرنج گنجیفہ کی بازیاں ہوں
اُچھل کُود ہو اور کلا بازیاں ہوں

ہر ایک بات میں اُن کی کردار مردی
نزاکت ہو اُن کے لئے عار مردی

تکلف سے دور اور تصنع سے عاری
بجا لائیں خود اپنی خدمت گزاری

نہ کاہل نہ عاجز نہ بے دست و پا ہیں
یہی لوگ مخدوم خادم نما ہیں

۵۱۔ یہی اُچھل کُود ہی جس کو شیخ ابراہیم ذوق نے بڑی حسرت کے ساتھ یاد کیا ہی فرماتے ہیں ؎

عہد پیری نے چھڑایا دوڑ چلنا کودنا
ہائے طفلی کھیلنا کھانا اُچھلنا کودنا

اُچھلنے کودنے کا مرثیہ ظفر نے کیسے عمدہ لفظوں میں کھا ہی ؎

ایک وقت تھا کہ ٹوٹتے تھے دانت دودھ کے
پھر یہ ہوا گزرنے لگے کھیل کُود کے

اب حال یہ ہی عالم پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

۵۲۔ دسمبر ۹۳ء کے کانفرنس میں علی گڈہ محمڈن کالج کے تمام طلبہ باوجودیکہ ان میں اکثر خوشحال اور معزز تھے کانفرنس کے مہمانوں کی کل خدمتیں اپنی ذات سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رات کی پاسبانی۔ حقیقت میں اِن لڑکوں کا برتاؤ دیکھکر علی گڈہ محمڈن کالج کی قدر معلوم

یہ کالج ہی جیسا کہ ہم چاہتے ہیں
اگر پل ہے یا باغ ہے یا کنوا ہے
تو کیوں کر یہ اتنا بڑا کارخانہ
سو ایسے ہی کالج کی تدبیریں ہیں
بُرا بھی سنیں گے کڑی بھی سہیں گے
تمہاری سی قسمت ہمیں بھی خدا دے
کہاں یہ مقدر نصیب ایسے کس کے
مگر تجھ پہ پنجاب فضل خدا ہے
برہمن نے مر کر رسوئی بنائی
لڑائی نہ ٹنٹا نہ جھگڑا نہ قصہ
ہوئی ہے کسی کو بھی یہ بات حاصل
عمارت میں کیا ہے بس اک اینٹ باقی
اگر بے دیئے ہمکو دیدو گے دھکے
مدینے میں جا کر کے ہم دیں گے دھرنا
رسول خدا سے شکایت کریں گے
نہیں تم ہماری طبیعت سے آگاہ
ہم اک اک سے اور اس سے اچھے سی لیں گے
نہ کیوں لیں کہ تعلیم کے پیشوا ہیں

کچھ اب سمجھے کیوں ہم رقم چاہتے ہیں
کوئی کام دنیا میں بے زر ہوا ہے
کہ کھپ جائے قاروں کا اس میں خزانہ
اٹھائیں گے نخرے جو تقدیریں ہیں
یہ کالج تو ہم بھی بنا کر رہیں گے
کرے قوم اور سید احمد دعا دے
کہ اکسیر مہماں ہو گھر میں مس[۱] کے
کہ نازل ترے سر پہ قومی ہما ہے
اور آخر کو لالہ نے کھائی اڑائی
ہے تکمیل کالج تمہارا ہی حصہ
لگاؤ لہو اور شہیدوں میں داخل
پلاتے تو ہو دُرد بنتے ہو ساقی
تو فریاد لے جائیں گے ہم بھی مکے
تو اس وقت پر کوئی شکوہ نہ کرنا
نہ ہم پھر کسی کی رعایت کریں گے
ہم اور لے لئے جائیں استغفر اللہ
بُرے دل سے دے یا کہ اچھے سے لیں گے
ہیں نان کالج ہیں قومی گدا ہیں

ہوتی تھی کہ یہ بھی کیا جگہ ہے جو ترکوں کو لکھنے پڑھنے کے علاوہ جری اور بے تکلف اور ملنسار بناتی ہے ۱۲

(۱) مس سے مراد وہ سخلوت مس عیب را کیمیا است۔ کی مس ہے۔ وہ مس جو انگریزی خونوں کی متعارف ہے ۱۲

ازانجا کہ کالج کے ہم ہیں پرستی
ہم اپنے اُدھارے دئے مانگتے ہیں

ضرور آپڑی ہے ہمیں سرپرستی
کہ تم سے تمھارے لئے مانگتے ہیں

بڑی گفتگو اور بہت بات ہولی
تو بھر دیجئے اب فقیروں کی جھولی

مندرجہ ذیل نظم مولانا نے ۲۰۔ اپریل ۱۹۰۲ء کی صبح کو مدرسہ طبیہ دہلی کے پانچویں سالانہ جلسے میں صبح کے وقت اپنے لکچر کے ساتھ پڑھی۔ اس جلسے میں کل عمائدین شہر ہندو مسلمان جمع تھے۔ بہرحال وہ نظم یہ ہے۔

(۱۱)

آیا تو ہوں کہ کچھ حقِ خدمت ادا کروں
لیکن خیال میں نہیں آتا کہ کیا کروں

کٹوا کے سینگ جیسے بچھڑوں میں آملوں
قانونِ شیخ مول لوں اور طب پڑھا کروں

جو کچھ پڑھائیں کاوش و تحقیق سے پڑھوں
یعنی کہ بات بات پہ جھگڑوں لڑا کروں

تحصیلِ طب میں محنت و ہمت کی داد دوں
سالانہ امتحانوں میں اوّل رہا کروں

انعام میں کتاب اگر دیں تو صبر و شکر
تمغا ملے تو فخر سے زیبِ قبا کروں

حاضر رہوں مطب میں بلاناغہ صبح و شام
مشقِ علاج کے لئے نسخے لکھا کروں

آنکھوں کے بند کرتے گزر جائیں پانچ سال
لیکن حیات کتنی ہی میں بھی وفا کروں

اچھا اگر یہ ہو نہیں سکتا تو کم سے کم
عبدالمجید خان کی مدح و ثنا کروں

یہ مدرسہ الٰہی کی عنایت کا فیض ہے
میں وہ نہیں کہ جھوٹ کہوں ادعا کروں

ممکن نہیں ہے ان کے فضائل کا عد حصر
گو عمر بھر قصائدِ مدحی لکھا کروں

احساں کا ان کے کس سے عوض ہو سکے مگر
پھر جزا حوالہ بذاتِ خدا کروں

لیکن نہ اپنا شیوہ خوشامد نہ اُن کا عُجب
اک کام اور بھی ہی اگر مجھ سے بن پڑے
مل جائے کوئی گانٹھ کا بھرپور پیادہ دل
پھر بعد معرفت کے بڑھے اُس سے ربط و ضبط
افسانے میں کہا کروں اور وہ سنا کرے
صحبت ہو سازگار تو اک وقت خاص میں
طرزِ سخن میں جادوئے بابل کا رنگ دوں
طبیہ مدرسے کے بیاں کرکے فائدے
وہ یا تو چھوٹتے ہی ٹکا سا جواب دے
یا وعدہ جو کہ تا بہ قیامت وفا نہ ہو
کیوں کر ہو کس کے دل سے ہو کس طرح اختیار
واللہ مجھ سے ہو نہیں سکتا (ہو کار خیر)
گر کھنے پاؤں قوم کی خانہ خرابیاں
دیوار و در کو وجد ہو لگ جائیں ہچکیاں
اے قوم تیری ہمت و غیرت کو کیا ہوا
پر قوم (ہائے قوم) ہی مصداق صم و بکم
تجھ کو قسم ہی سستی کی اور مجکو بات کی
القصہ میں عجب عبث و ہیچ کارہ ہوں
سعی الرحیم[۵۱] اگر نہیں جہد المقل[۵۲] تو ہے
پیدا ہو غیب سے کوئی مرد خدا کہ میں

کیوں ترکِ وضع کرکے انھیں بدمزہ کروں
ہر پھر کے اپنے آپ پہ صدقے ہوا کروں
لگ چل کے اُس سے اپنے تئیں آشنا کروں
وہ میرے دل میں اور مَیں اُس کے جی میں جا کروں
مذکور وہ کیا کرے اور میں سنا کروں
اظہارِ مطلب و غرض و مدعا کروں
الفاظ میں کرشمۂ معجز نما کروں
چندے کی اُس سے آرزو و التجا کروں
یا چپ رہے کہ میں اُسے بیٹھا تکا کروں
کچھ خضر تو نہیں کہ ہمیشہ جیا کروں
آئین و طرز و عادت و شانِ گدا کروں
مثلِ فقیر ہاتھ پساروں صدا کروں
محفل میں شور شیون و ماتم بپا کروں
اگر حالِ زار قوم پہ قصدِ بکا کروں
تو ہی قصور وار تو کس کا گلہ کروں
ناخن کہاں سے لاؤں کہ یہ عقدہ وا کروں
کیا میرا سر پھرا ہی کہ ناحق بکا کروں
بس اتنے کام کا ہوں کہ لکھ پڑھا کروں
اس مدرسے کے حق میں خدا سے دعا کروں
طبی سکول چھوڑ کے کالج بنا کروں

الوسٹ کردوں اس میں کفایت کی قدر فنڈ	دار الشفا کو روکش دار البقا کروں

ذیل کی نظم بھی مدرسہ طبیہ کے دہلی کے جلسے میں مولنا نے پڑھی تھی

(۱۲)

یہ کیا شور و غوغا ہی کاہے کا غُل ہی
نہ آواز نَے ہی نہ بانگِ دُہل ہی

نہ کچھ ساز و سامان دل بستگی ہی
نہ رقاص ہی اور نہ ساقی نہ مُل ہی

سُنا تھا کہ دل قوم کے مر گئے ہیں
ان ہی میں کسی مرنے والے کا قُل ہی؟

محرم کی مجلس ہی یہ اُس کا ذاکر؟
و یا بزم میلاد ختم الرسل ہی؟

نہ یہ ہی نہ وہ ہی تو پھر کیا سبب ہی
کہ اتنا بڑا صحن لوگوں سے فُل ہی

اگر بے سبب ٹوٹ آئی ہی خلقت
تو کیا ان کے پیروں میں ناحق کی کھُل ہی

نہیں۔ مدرسے کا ہی سالانہ جلسہ
یہ تقریب معمول و معلوم کل ہی

طبابت میں فصل بہار آرہی ہی
کھلا اس کے گلشن میں یہ تازہ گل ہی

یہ ہستی ہی اک بحر مواج آفت
طب اُس پر سے ہو کر گزرنے کا پل ہی

مگر کون طب جس کا ماخذ ہی یونان
کہ محفوظ و مامون و خیر السبل ہی

نہ وہ طب کہ جس سے ذرا آنکھ چوکی
تو پایاں مشعلِ زندگانی ہی گُل ہی

مندرجہ ذیل نظم مولنا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ ۱۸۹۵ء میں اپنے لکچر کے ساتھ پڑھی تھی۔

(۱۳)

لہ۔ اچھی راہ ۱۲۔

نچایا ہے یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو ... خدا غارت کرے اس اختلافِ دین و مذہب کو

عجب بد عقل ہے انساں کہ باایں دعوئ دانش ... ہزاروں سال سیکھا پر نہ سمجھا اصل مطلب کو

اگر تعلیم دیں یہ ہے تو آخر کار سُن لینا ... کہ خود مکتب کے لڑکوں نے کیا برباد مکتب کو

زمانے نے بہت سفاکیاں مذہب کی دیکھی ہیں ... اگر شک ہو تو تم بھی آزما دیکھو مجرب کو

خدا محفوظ رکھے اس کی زد سے یہ وہ گولا ہے ... نہ پیادے ہی کو چھوڑے اور نہ راکب کو نہ مرکب کو

یہ وہ آتش ہے عالم سوز جس کی ایک چنگاری ... جلا دیتی ہے اک دم میں خشک و تر کو دور و اقرب کو

ڈسا ہو جس کو اس موذی نے وہ بھٹکا نہیں کھاتا ... خدارا تم نہ چھو لینا کہیں اس نیشِ عقرب کو

مصیطر کس لئے بنتے ہو لوگو کہتے ہیں یہ منصب ... نہ حاصل تھا نہ حاصل ہے مقرب سے مقرب کو

نہ اس آواز کو کانوں میں اپنے آنے دینا سُن رکھو ... نہ ایسی بات سے زنہار کرنا آشنا لب کو

نظر کچھ مقتضائے وقت پر بھی چاہیے کرنی ... کہ دن کو کام میں مصروف ہو آرام میں شب کو

مگر تم جھونپڑوں میں دیکھتے ہو خواب محلوں کے ... ذرا سوچو تو کیا نسبت گئے وقتوں سے ہے اب کو

مزاج اسلام کا ناساز ہے اچھا نہیں لگتا ... کسی کا بولنا آواز سے جانِ معذب کو

ولے تم لوگ یوں بیگانہ وار آپس میں لڑ لڑ کر ... بالآخر دق بنانا چاہتے ہو عارضی تپ کو

یہ آئی کیا پڑی ہے اپنی نبیڑو چھوڑ دو حق پر ... وہ خود پہچان لے گا بے ادب کو اور مؤدب کو

مولٰنا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اپنے لکچر سے پہلے تھوڑی بہت نظم اکثر پڑھا کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل نظم بھی لکچر سے پہلے پڑھنے کا ارادہ تھا مگر اس نظم کو درمیان لکچر میں پڑھا جس کی وجہ مولٰنا فرماتے ہیں کہ "اچھا تو وہ بات پھر رہ گئی کہ میں نے جو لکچر کو ولقد ارسلنا نوحا الیٰ قومہ سے شروع کیا تو کیوں۔ بات یہ ہے کہ میں اکثر لکچر سے پہلے تھوڑی بہت نظم بھی پڑھا کرتا ہوں۔ آج کے لکچر کے لئے بھی علیٰ وفق العادۃ

چند شعر لکھ کر لایا تھا اور اتفاق سے پہلے شعر میں نوحؑ کا نام آگیا تھا۔ اس مناسبت سے میں نے وہ آیت پڑھی تھی۔ مجکو کیا خبر تھی کہ میں تمہید ہی میں رہ جاؤں گا اور مطلع لکچر اُس کا مقطع ہو جائے گا۔ بہرکیف ٹرسٹیٹ دین اور وہ نظم یہ تھی۔

(۱۴)

بچایا ڈوبنے سے کشتی دینِ محمدؐ کو
مگر ہیں پورے ساڑھے نو سو شمسی سال گن ہونگا
ہمیں احسان شناسی شکر پر مجبور کرتی ہے
تعصب ہی ترقی میں مسلمانوں کی حارج تھا
کسی ڈھب سے انھیں تعلیم کے رستے پہ لا ڈالا
کیا تھا پاک اس کے جد امجد نے سنا ہوگا
سو اس نے بھی دلوں سے دھو دیا اوہام باطل کو
مسلمانوں نے آپ اسلام کو ایسا بگاڑا تھا
کہ ہم کو آج دنیا میں ہے وہ رسوائی و ذلت
جو عالم تھے انھوں نے صرف دستار فضیلت کی
عوام الناس فہم راز دیں سے عاجز و قاصر
خدا ہی جانے کیا اسلام کو لوگوں نے سمجھا تھا
ادھر سائنس کا پتھراؤ کھتا تھا کوئی دم میں
سو اس نے اپنے زورِ عقل سے وہ پائداری دی
خدا کی شان وہ اب سچلر آف آرٹس ہوئے ہیں

الٰہی نوح کی سی عمر دے سر سید احمد کو
کہ کوئی نیچری کچھ کم نہ کر دے وقتِ ممتد کو
وگرنہ ہم کمینہ پن سمجھتے ہیں خوشامد کو
جزاک اللہ کس خوبی سے سر کیا ہی اس سد کو
اگر اب بھی نہ سمجھیں تو روئیں قسمت بد کو
بتوں کی گندگی سے خانہ کعبہ کے معبد کو
کہ اس کا فرض تھا پھر زندہ کرنا سنت جد کو
کہ ہم اس کی بدولت آخر آپہنچے ہیں اس حد کو
جو ہونی چاہیئے انجام میں کافر کو مرتد کو
بنا کر دھجیاں اُس پاک پیغمبر کی مسند کو
لیے بیٹھے تھے رسم و راہ و تقلید شد آمد کو
پلے آتے تھے سب تکذیب کو ابطال کو رد کو
کیے دیتا ہوں چکنا چور اس شیشے کے گنبد کو
کہ اب جنبش نہیں تا حشر اس قصر مشید کو
جو کفر و زندقہ تھے تھے انگریزی کی ابجد کو

سلہ مضبوط ۱۲ ۔ سلہ بی اے ۱۲

بہت سنتے رہے ہو جذر اسلامی سمندر کے
یہ کنکوے ہیں ان میں قوتِ پرواز خلقی ہے
عزیزو یہ عمل داری بڑی رحمت خدا کی ہے
نہ کچھ تخصیص مذہب کی نہ کچھ تعیینِ ملت کی
باطمینان اسبابِ ترقی جمع ہیں سارے
علی گڈھ ہو کے سیدھی راہ نکلی ہے ترقی کی
بحجوِ نگر ہے حتی الوسع وقتِ نامساعد کی
اب آزادی نے اپنا سکہ عالم میں بٹھایا ہے
کسی کی بات بھی مانا کرو ضد کی بھی اک حد ہے
اگر اب بھی نہ تم نے قدر و قیمت وقت کی جانی
کہ مٹ جاؤ گے اور برباد ہو جاؤ گے بالآخر
بس اپنی شاعری موقوف کر بر خود غلط مت ہو
کہیں اس شاعری کے خبط میں عادت نہ کر لینا

اب آگے دیکھنا طغیانِ جوش و شورش و مد کو
انھیں تعلیم کی دریائی پہنچائے کی فرقد کو
غنیمت بس غنیمت جانو اس کے فضل بے حد کو
جو اسود کو وہ ابیض کو جو ابیض کو وہ اسود کو
اگر تم کام میں لاؤ طلب کو جہد کو جد کو
ہمارے ساتھ ہو تو جلد تر پہنچو گے مقصد کو
اٹھایا ہے کسی نے یا اٹھا سکتا ہے اس رد کو
نکالو مطلقاً فرہنگ سے لفظِ مقید کو
خدارا چھوڑ دو اس جاہلانہ کاوش و کد کو
تو بس تجربہ کھد وار کھنا اس قول ہو کد کو
پکڑ پاؤ گے کیا تم ناتواں اس چودھویں صد کو
اگرچہ روکنا مشکل ہے مضمونوں کی آمد کو
خلافِ وضع وصفِ خط و خال و عارض و خد کو

جناب مولانا ممدوح نے ذیل کی دلکش اسپیچ نظم میں مدرسہ طبیہ دہلی کے ساتویں سالانہ جلسہ میں ۲- اپریل ۱۸۹۶ء کو بمقام دہلی دی تھی۔

(۱۵)

کس قدر جلدی گزرتے ہیں جہاں میں ماہ و سال
کاش ہم کو بھول کر آئے کبھی اس کا خیال
حال جتنے ہیں وہ ہو جائیں گے ماضی ایک دن
جتنے مستقبل ہیں ہو جائیں گے وہ اک روز حال
ہر منٹ اور ہر سکنڈ ایک آدمی ہے فی المثل
اس کا ہو چکنا گزر جانا ہے اس کا انتقال

جلسہ سالِ گذشتہ گویا کل کی بات ہی
صدر میں صاحب کمشنر جلوہ گر جوں آفتاب
وہ نہ تھا جلسہ مگر اک کورٹ تھا بے اشتباہ
سکریٹری پڑھ رہے تھے کس فصاحت سے رپوٹ
ہرطرف سے مرحبا و آفریں کا شور تھا
اور صفِ بائیں میں یہ عاجز گھر اتھا سرنگوں
یوں ہوا اتنے میں ارشادِ حکیم محتشم
ایسا لکچر دے کہ پا جائے ہمیشہ کے لیے
اُن کی اس درخواست پر میں نے بھی وہ تقریر کی
ایسی بے باکی سے بولے کس کا اتنا حوصلہ
کوئی گو معترض بھی تھے کہ یہ سب لغو ہی
گُل ہوا ہی چاہتا ہی طبِ یوناں کا چراغ
یہ عمارت کہنگی سے گل گئے آنا ہو گئی
طبِ یونانی و انگریزی کہ دو بہنیں ہیں یہ
گرچہ یونانی بڑی تھی پر نہ تھا اُس کے تئیں
کوستی تھی اور کھٹی تھی کہ تو ہو جائے رانڈ
چھوٹی کھوٹی تڑ سے بول اُٹھی کہ بس بک بک کر
جب کہ دونوں میں ہوئی تھکا فضیحت اس قدر
بارے دونوں کو کسی ڈھب سے گلے ملوا دیا
دُور ہو کر رنجشیں پھر ہو گیا گہرا ملاپ
اُس سے ایک ہی جگہ میں دونوں گھر آباد ہیں

جمع تھے جس میں تمامی شہر کے اہلِ کمال
دوسرے حکام گرد اگرد تاروں کی مثال
وہ نہ تھا جلسہ مگر دربار تھا بے قیل و قال
باغ میں جس طرح چہکے طوطیِ شیریں مقال
ہو رہے تھے حاضرانِ جلسہ سن سن کر نہال
بے بضاعت بے ہنر نادم سراپا انفعال
کیا کھڑا ہی آ اُدھر اور جیب سے کاغذ نکال
طبِ یونانی و انگریزی کا جھگڑا انفصال
جس کو سن کر لوگ کہتے تھے کہ ہی سحرِ حلال
اس صفائی سے کہے کوئی کسی کی کیا مجال
بے دلیل و بے سند اثبات دعوائے محال
اور یہ جو کچھ دیکھتے ہو آخری ہی اشتعال
ابنِ جالینوس کے باوا سے ہو اس کی ننہال
بے محابا مدتوں سے لڑ رہی تھیں بدخصال
اپنی چھوٹی بہن کی پرداخت کا مطلق خیال
ٹکڑے روٹی کے لیے کرتی پھرے گھر گھر سوال
تیرے مٹ جائیں چھیتے اور تیرے بر جائیں لال
اُٹھ گیا دونوں طرف سے پاسِ حدِ اعتدال
ورنہ ہوتی خاندانِ طب کی رسوائی کمال
اب تو سننے میں نہیں آتی کبھی جنگ و جدال
نے حسد ہی نے گلہ نے شکوہ نے رنج و ملال

کوئی کرتا ہے سدیدی اور نفیسی کی چھتھاڑ
مدرسہ طبیہ اپنی شان میں ہے منفرد
درسِ طب اور درسِ طب کے ساتھ حسنِ انتظام
حیف ہے صد حیف گر اس کی نہ کی جائے مدد
یہ ابھی تک صرف منصوبے ہیں دور از واقعات
ڈلے کو گر نہیں پیدا تو پھر کیسی مٹھاس
وقتِ تفریحات لایعنی ہے جو ہے جس کے پاس
قوم کے سر میں مگر احساسِ حالت ہی نہیں
اک بے سرے سے آگیا ہے سب کی عقلوں میں فتور
انقلابِ دہر کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں
حاکمانِ وقت کی ہر چیز سے کُلّی گریز
ہو چکا سیراب ساری عمر اپنا تشنہ کام
بود و باش بحر اور اُس پر مگر سے دشمنی
جیسے اک تنکا مقابل ہو کسی سیلاب کے
پڑ رہ کیسی آ پڑا ہے صاف نقشہ مات کا
عزت و دولت حکومت سلطنت سب کھو چکے
گر کسی کو شاذ و نادر ہی کبھی انگریزی کا شوق
پابنا کر اور ہی باتوں میں انگریزوں کی نقل
یہ نکھٹو لا نہیں سکتا کما کر اک درم
روم و ایران ہند و مصر افریقہ اور ایشیا
ہو چکے دورے وہ عبداللہ احمد بخش کے

کھینچتا ہے جیسے رستی سے کوئی مردے کی کھال
کیجیے تسلیم یا دکھلایئے ایسی مثال
تجربہ اور تجربے کے ساتھ اس کی دیکھ بھال
ظلم ہے گر دستگیر اس کا نہ ہو دستِ نوال
جیسے کوئی خواب دیکھے یا کرے دل میں خیال
پا سکے ہیں آپ نے بے دودھ بنتے شیر مال
پر نہیں ہے قوم کے کارن کوئی کوڑی دوال
پڑ رہا ہے مدتوں سے ملک میں قحط الرجال
یا وہ باغوں کی بناوٹ میں ہے وہ خلل اختلال
کیا نتیجہ ہوگا کیا انجام ہوگا کیا مآل
وضع ہو یا طرز ہو یا علم ہو یا بول چال
جو پھرے سرگشتہ دور از چشمۂ آبِ زلال
بدنصیبی اس کو سمجھو یا حماقت یا ضلال
جیسے کوئی توپ سے لڑنے کو جائے لے کے ڈھال
ابتدا ہی سے غلط ہوتی گئی بازی میں چال
اب نرا افسانہ ہے اسلام کا جاہ و جلال
ورسٹ ریڈر پڑھ کے بننا چاہتا ہے کوتوال
وہ مثل ہے ہو گئے کوا ہنس کی سیکھا ہے چال
ہاں اسے وید و اٹھائے کو دتا نیرو ریال
جس طرف جاؤ تنزل اور جدھر دیکھو زوال
اب ہیں ماتا دین تلسی داس بابو شام لال

ہو گئی ہیں رسیاں جل جل کے سب خاکِ سیاہ
لیک نکلے ہوں کسی کے بل جلے پر کیا مجال

نازش بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
راگنی بے وقت کی چھیڑے تک اس میں سُر نہ تال

اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح
گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

اٹھ گئی دنیا سے رسم اتحاد و یکدلی
اور اسی نا اتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال

اب یہ حالت ہے کہ گویا ایک کا دشمن ہے ایک
بس چلے اور دسترس پائے تو کر ڈالے حلال

ایسے سفاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہے
شیرِ مادر ہے جو پا جائیں کسی کا مفت مال

جنگ ہوتی دیکھ مذہب آن کودا بیچ میں
تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال

یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں
مکر و تلبیس و فریب و زور کا پھیلائے جال

یہ ابھرنے ہی نہیں دیتا ہے ہم کو ایک انچہ
اور ہمیں چارہ نہیں چھٹنے کے نا اہلی الجھال

گر یہی اسلام ہے کر دور سے اس کو سلام
گر یہی جنت ہے اس جنت کو لے دوزخ میں ڈال

طیّبات العیش[۱] سارے لے گئے اگلے بزرگ
جھیلنے کو رہ گئے ہم ناخلف رنج و ملال

ایسی کثرت کی خوشی کیا ہو کہ ہم ہیں چھ کروڑ
جن میں اکثر بلکہ اکثر سے بھی اکثر خستہ حال

کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض
کیا ہوا ہم میں اگر خوش حال ہوں بھی خال خال

بالیقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ
جن کو جو کچھ وقت پر مل جائے کھا لینا حلال

دن کو کھا لیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ
رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال

یا گھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشیں
بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال

اس قدر دُبلے کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں
حلقے آنکھوں میں پڑے پچکے ہوئے اندر کو گال

بند ہو گئے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر
پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی کھال

وقت تھوڑا طبع نازک داستانِ غم دراز
اب دعا کے ساتھ ہونا چاہیے ختم المقال

اے خدا سارے جہاں کا خالق و رازق ہے تو
اے خدا ہے ذات تیری لم یزل اور لایزال

[۱] عیش پسندیدہ ۱۲

مشکلوں نے ہم کو آگھیرا ہی چاروں سمت سے
مدرسہ طبیہ جس میں آج ہم سب جمع ہیں
یعنی کچھ دن پھر چلے ہیں طالع ناساز کے
یہ اور اُس کے ساتھ وابستہ ہیں جتنے کاروبار
آپ ملکی لارڈ ہو کر ہوں ہمارے سرپرست

ہم کو گردش نے فلک کی کردیا ہی پائمال
پھ بھی ہی حق میں ہمارے اک طرح کی نیک فال
کیا عجب شاید ہمیں پھینیہ بر آرد پر و بال
سب کو استحکام دے پروردگار ذوالجلال
جل مریں پھر مدرسے کے حاسدان بدسگال

آپ دیں طلاب کو انعام ہم دیں آپ کو
ہر برس صدہا دعائیں یاں بلاکر خیر نال

جناب مولٰنا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب نے ۲۹- دسمبر ۱۸۹۶ء کو بمقام میرٹھ اجلاس یازدہم محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس میں ذیل کی نظم ایک خاص تمہید کے ساتھ پڑھی تھی۔ تمہید یہ تھی کہ "شیخ ابراہیم ذوق کی ایک مشہور غزل کا مطلع ہی ؎

ہیں دہن غنچوں کے وا کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
شاید اُس کو دیکھکر صلِ علی کہنے کو ہیں

پارسال جو شاہجہاں پور کانفرنس ہوا تو ایک صاحب نے جن کا نام اور تخلص دونوں مجکو بھول گئے ہیں سید احمد خاں کے خیر مقدم کے طور پر اسی وزن میں ایک نظم پڑھی تھی اور نواب محسن الملک بہادر نے جو اُس کانفرنس کے پریزیڈنٹ تھے اُس نظم کی بڑی مدح کی تھی اور وہ مدح کی مستحق تھی بھی۔ امسال مجکو خیال آیا کہ میں بھی اُن کی طرح طبع آزمائی کروں۔

(۱۶)

کچھ نہ پوچھو آج ہم لکچر میں کیا کہنے کو ہیں
قوم کو خود قوم کے مُنھ پر بُرا کہنے کو ہیں

اُن کو اُن کے عیب اُن کے سقم دکھلانے کو ہیں — اُن سے اُن کی داستانِ ماضی کہنے کو ہیں
الغرض اسلام پر جو کچھ کہ گزرا نیک و بد — اُس کو ہم از ابتدا تا انتہا کہنے کو ہیں
مدتوں ہم اُن کو چپکے چپکے سمجھایا کئے — اب جو کچھ کہنے کو ہیں سو برملا کہنے کو ہیں
ہم سے بہتر کوئی کیا جانے گا حالت قوم کی — جو عدو کہتے ہیں ہم اُس سے سوا کہنے کو ہیں
جتنی انگریزی رعایا ہی سبھی خوش حال ہی — ہم ہی زیرِ سایہ وکٹوریا کہنے کو ہیں
عزتِ دارین ہی اصلی مسلماں کی شناخت — ورنہ یوں ہم بھی بطورِ ادعا کہنے کو ہیں
حُسنِ صورت محض بے رونق ہی سیرت کے بدوں — جن گلوں میں بو نہیں وہ خوش نما کہنے کو ہیں
ناصحِ خود ہو تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں — ورنہ اوروں کو تو سب ماوشما کہنے کو ہیں
ہی مسمیٰ ذات واحد نام اُس کے مختلف — گاڈ یا بھگوان یا اللہ خدا کہنے کو ہیں
دین کے بارے میں جو کچھ منھ میں آیا بک دیا — ہم اِس آزادی کو مالیخولیا کہنے کو ہیں
اب نہیں باقی مسلمانوں میں عقلِ حق شناس — یہ تو جو کچھ مولوی کہہ دیں بجا کہنے کو ہیں
عالمانِ دیں کہ از روے حدیثِ معتبر — پیشوا و مقتدا و رہنما کہنے کو ہیں
نام بھی دنیا کا سُن پائیں تو لعن بالاتفاق — ارتداد و کفر و حرفِ ناسزا کہنے کو ہیں
سو وہ بے سرمایہ ہی سرتا بسر اُن کی معاش — دوسروں سے حرم اللہ الربوا کہنے کو ہیں
اے فلک اب دیکھ سنبھل جا کہ آخر کار ہم — زندگی سے تنگ آکر یا خدا کہنے کو ہیں
گر مدینے جائیو تو ہم سے مل کر جائیو! — ہم بھی کچھ پیغام اے بادِ صبا کہنے کو ہیں
وہ رسولِ ہاشمی جو اُس جگہ مدفون ہی — اُن کی روحِ پاک کو صلِ علیٰ کہنے کو ہیں
پھر بصد عجز و ادب تیری زبانی اے صبا — اُن کی خدمت میں یہ عرض و التجا کہنے کو ہیں
اتنا کہہ دینا کہ گو ہم تیرے کہنے میں نہیں — پھر بھی ہم تیرے امام الاتقیا کہنے کو ہیں
دولت اور عزت حکومت شان و شوکت سلطنت — کھو کے سب کچھ زندہ اب ہم ڈھیلا کہنے کو ہیں
یہ تو حالت ہی اور اس پر دشمن از راہِ حسد — یا بُرا کرنے کو ہیں اور یا بُرا سننے کو ہیں

رحمۃ للعالمین کیجئے دعا بہر خدا
حاملانِ عرش آمین دعا کہنے کو ہیں

کتنی چیزیں ہیں کہ خارج میں نہیں اُن کا وجود
جیسے عنقا و ہما و کیمیا کہنے کو ہیں

آدمی کی عادتوں میں بھی علیٰ ہذا القیاس
اتحاد و الفت و مہر و وفا کہنے کو ہیں

مدعی بن کر گواہی دیں گے منہ پر صاف صاف
پس یہ دست و پا ہمارے دست و پا کہنے کو ہیں

نظم قومی کی تو کچھ ہوتی نہیں لوگوں میں قدر
ہم بھی کوئی دن کو اک اندر سبھا کہنے کو ہیں

اُس میں شوقِ وصل کی بے تابیاں لکھنے کو ہیں
اُس میں وصفِ غمزہ و ناز و ادا کہنے کو ہیں

جب پڑھی جائے گی یاروں میں غزل تب دیکھنا
جتنے منہ ہیں اُن میں کتنے واہ وا کہنے کو ہیں

کوئی لے بھی جائے ہم سے دل کہ قصہ پاک ہو
یہ حسینانِ جہاں بھی دل ربا کہنے کو ہیں

نظم تنگی کر چلی اشعار بن پڑتے نہیں
اور ابھی ہم کو بہت سے مدعا کہنے کو ہیں

سید احمد خان کو اُن کے ضبط و استقلال پر
آفرین و حبذا و مرحبا کہنے کو ہیں

عقل کو اُن کی سلیم اور رائے کو اُن کی صواب
اُن کی غور و فکر کو دور از خطا کہنے کو ہیں

گر مسلمانوں کو کشتی فرض کر لو فی المثل
اُن کو کشتی کا مبارک ناخدا کہنے کو ہیں

وہ جو کالج ہے علی گڈھ میں اُسے از راہِ فخر
ہم مسلمانوں کا قومی مدرسہ کہنے کو ہیں

علم کی ٹکسال ہے یہ جس نے لی اِس کی سند
ہم اُسی کو رائج الوقت اور کھرا کہنے کو ہیں

کوئی حاسد ہو اگر در پردہ اُس کے برخلاف
اُس کو ہم اسلام کا دشمن کھلا کہنے کو ہیں

لوگ سنتے سنتے عاجز آ گئے بس کچھ چلو
کب تلک کہنے کو ہیں اور تا کجا کہنے کو ہیں

مندرجہ ذیل نظم لکچر نمبر ۲۷ کے آخر میں درج ہے۔ جو میرٹھ کانفرنس میں غالباً پڑھی گئی تھی۔

(۱۷)

عزت نہیں منہ نہیں پلے ٹکا نہیں
دنیا میں اب تو جینے کا مطلق مزا نہیں

جن کی عمارتیں یہ فلک سر کشیدہ تھیں — نسلوں میں اُن کی رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخملِ رومی کے فرش تھے — اب اُن کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز — نوبت یہ ہے کہ چولھے پر اُن کے توا نہیں
دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند — پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں
بابا فقیر تھے کہ انھیں پوجتے تھے لوگ — بیٹا فقیر ہے کہ کوئی پوچھتا نہیں
پُشتینی زیر دست کریں بد دعا عیاں — اے قوم تجھ میں غیرت و شرم و حیا نہیں
اول سے ہوتے آئے ہیں دنیا میں انقلاب — اک طرح پر کسی کا زمانہ رہا نہیں
ہم بھی اگر زمانے کی گردش میں آ گئے — تقدیر و بخت و چرخ سے کوئی گلا نہیں
برسوں رہے ہیں ہم پہ کرم ہائے روزگار — اک بے رخی پہ روٹھنا شرطِ وفا نہیں
یہ اتفاقِ وقت نہیں نادر الوقوع — یہ ماجرا عجیب کوئی ماجرا نہیں
مایوس کس لئے رہیں ہوں نا امید کیوں — کوئی مرض نہیں ہے کہ جس کی دوا نہیں
گر سلطنت گئی تو گئی کیا مضائقہ — کیا اس بغیر کوئی جہاں میں جیا نہیں
ہمت خدا اگر نہ ہرائے کہ یہ رہے — اور جائے سب تو جانو ابھی کچھ گیا نہیں
جو برسرِ عروج ہیں اب فی زماننا — ان میں بھی جملہ فردِ بشر بادشا نہیں
معمور ہیں خزائنِ انعامِ کردگار — پر کیا کریں کہ ہاتھ ہی اپنا رسا نہیں
خلعت گر اُس کی اپنے بدن پر ٹھیک آگئے — ہے جسم کی خطا یہ قصورِ قبا نہیں
جو واقعہ ہے اُس کا سبب ہے کوئی ضرور — ٹوٹا کسی مقام سے یہ سلسلہ نہیں
محنت بغیر مزد کسی کو نہیں ملا — بے جوتے بوئے کھیت کسی کا پھلا نہیں
پھر یہ جو ہم سبھوں پہ گزرتی ہیں سختیاں — کیا اپنی نالیاقتوں کی سزا نہیں
فرما دیا ہے صاف کلام مجید میں — قسمت میں آدمی کی بجز ما سعیٰ نہیں
کیا روئیے کہ غور سے دیکھا تو واقعی — اپنا ہی ہے قصور کسی کی خطا نہیں

ہم آپ جمنے دیتے نہیں نقش مدعا
ورنہ ہمارے ہاتھ میں سب کچھ ہے کیا نہیں

ہم اہل ہوں تو خوانِ کرم اُس کا ہے وسیع
اوروں کا وہ خدا ہے ہمارا خدا نہیں

جو جس نے مانگا اُس نے دیا سب کو بے دریغ
محروم اُس کے فیض سے کوئی رہا نہیں

کیا ان کو آفتاب نہیں ہے جہاں فروز
یا شب کے وقت نورِ قمر کی ضیا نہیں

دیکھا کسی نے پھینک کے اوپر سے سنگ کو
اور وہ کبھی زمین پہ آخر گرا نہیں

یا آگ کی کمی ہے ہمارے دیار میں
پانی نہیں زمین نہیں یا ہوا نہیں

ہندوستاں میں قوتِ برقی کا قحط ہے
یا یاں ٹنوں[۵۱] سٹیم[۵۲] بنا اور اُڑا نہیں

یا ہم خدانخواستہ معذورِ بخت ہیں
یعنی کہ چشم و گوش نہیں دست و پا نہیں

معلوم ہے کہ علم پر اب ہے مدارِ کار
اور جس کو یہ نہیں اُسے جینا روا نہیں

پر علم وہ کہ جس سے ہے یورپ کو امتیاز
اِس سے مراد شاعری انشا نہیں

کرتا ہے ایک افسرِ تعلیم یوں رپورٹ
ڈھونڈے سے جب کوئی سبب اُس کو ملا نہیں

ہوتے ہیں یوں جو فیل مسلمان بالعموم
اِن میں مگر مناسبتِ ہندسہ نہیں

ہے بات یہ کہ جزوِ بدن کس طرح سے ہو
رغبت کے ساتھ کھائی گئی جو غذا نہیں

صدہا برس سے بگڑے ہوئے ہیں مذاقِ قوم
آخر رواج و رسم کوئی شے ہے یا نہیں

چھٹتے ہی چھٹتے چھوٹے گی عادت پڑی ہوئی
دو چار دن کا کام تو یہ مشغلا نہیں

ہاں اک سبیل ہے کہ علی گڈھ چلے چلو
اس وقت اس سے ہند میں بہتر جگہ نہیں

وہ اکسفورڈ و کیمبرج کا جواب ہے
بس اتنا فرق ہے کہ وہ آب و ہوا نہیں

واں قدردانیاں ہیں تو یاں بدگمانیاں
اور ہمتیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں

واں مدرسوں کے واسطے چندوں کی ریل پیل
یاں یہ سبق کوئی متنفس پڑھا نہیں

واں ہمتیں کہ بامِ فلک پر کریں عروج
یاں بیٹھے پیچھے اُٹھنے کا بھی حوصلہ نہیں

۵۱ - یہ ایک انگریزی وزن ہے جو ہندستانی من سے زیادہ ہوتا ہے ۱۲
۵۲ - حباب ۱۲

وہ مستعد کہ چل کے کریں سیر بر و بحر
ہم ہیں گھروں کی قید سے کوئی رہا نہیں

واں وقت کی یہ قدر کہ ضائع نہو منٹ
یاں روز و ماہ و سال کی پروا ذرا نہیں

وہ محنتی کہ کام میں ہر وقت مشتغل
ہم اینڈتے ہیں اسلئے کہ کوئی مشغلہ نہیں

ایک ہم کہ ہم کو سو میں ہے ننانوے میں عار
اک وہ کہ کوئی کام ہو ہرگز ابا نہیں

عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں
اسلامیوں میں ان کی سی کوئی ادا نہیں

واں اتحاد و یک دلی و الفت و وفاق
یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں

یاں چھوٹی چھوٹی باتوں میں مذہب سے روک ٹوک
واں ایسے مہملات کا کچھ تذکرہ نہیں

مانو نہ مانو ہم کہے دیتے ہیں صاف صاف
جس رنگ میں ہو وقت کا یہ اقتضا نہیں

مندرجہ ذیل نظم مولانا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارھویں سالانہ جلسے میں پڑھی تھی۔ نظم پڑھنے سے پہلے مولانا نے ارشاد فرمایا تھا کہ "جس طرح وہ شب[ف۱] زندہ دار بزرگ مریدوں کے بھرے میں آکر ہزار پانسو نفلیں پڑھنے لگے تھے میں بھی لوگوں کے کہے میں آکر شعر کہنے لگا۔ مگر جیسی اون کی نفلیں ہوتی ہوں گی ویسے ہی میرے شعر ہوتے ہیں پچھلے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بڑی شد و مد کے ساتھ اعتراضات ہوئے کہ کانفرنس عملاً کچھ نہیں کرتا بلکہ لوگوں نے اس کو مشاعرے کی محفل بنا لیا ہی۔ میں تو سمجھا کہ خدا نے شعر گوئی سے پیچھا چھڑایا۔ مگر آپ لوگ تعجب کریں گے کہ جو صاحب[ف۲] بڑی شد و مد کے ساتھ شعر گوئی پر اعتراض کرتے تھے وہی بڑی شد و مد کے ساتھ مجھ سے نظم کی درخواست بھی کرتے تھے۔ ادھر تمھارے ہاں پار سال کسی صاحب نے میرا نام لیکر کہہ دیا کہ وہ ہمیشہ لکچر سے پہلے ضرور نظم پڑھا کرتا ہی

ف۱ - ان بزرگ کی نقل دیباچہ میں دیکھو ۱۲

ف۲ - غالباً نواب محسن الملک کی طرف اشارہ ہی۔ ۱۲

ہمیشہ اور ضرور تو نہیں مگر ہاں پڑھا کرتا ہوں۔ اور یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح یونانی طبیبوں کے ہر ایک نسخہ میں شربت ہوتا ہے یا خمیرہ یا مصری کہ شیرینی کے شمول سے طبیعت دوا کو قبول کرے اسی طرح نظم کے شمول سے لوگ لکچر کو رغبت سے سنیں۔ خیر تو جو لکچر میں دینے والا ہوں اُس کی تمہیدی نظم یہ ہے۔ اور اِس طرح کو اسد اللہ خاں غالب مجھ سے پہلے اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

زندگی اپنی جو اِس طرح سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

(۱۴)

ہائے وہ دورِ موافق کہ مسلمان کبھی — حشمت و سلطنت و تیسیر و غنا رکھتے تھے
حاکمِ وقت تھے اور ملک سے لیتے تھے خراج — تاجِ شاہنشہی و چتر و لوا رکھتے تھے
رعب دیتا تھا انھیں لشکرِ جرار کا کام — کہ زمانہ میں یہ بھی اپنی ہوا رکھتے تھے
فتح اک خادمہ تھی اُن کی اور اقبال غلام — مختصر یہ ہے کہ پتلے یہ خدا رکھتے تھے
وہ بھی انسان تھے ہمارے ہی طرح کے انسان — یہی صورت تھی اور ایسے ہی قویٰ رکھتے تھے
ہاتھ پاؤں اُن کے بھی دو دو ہی ہوا کرتے تھے — وہ بھی دو آنکھیں دو گوشِ شنوا رکھتے تھے
وہ بھی تھے عالمِ اسباب میں محکومِ قضا — نہ کوئی قاعدہ قانون نیا رکھتے تھے
بین ستین و سبعین[۱] تھی مقدارِ حیات — اور یہی ضابطۂ صبح و مسا رکھتے تھے
مشکلیں اُن کو بھی پیش آتی تھیں وقتاً فوقتاً — وہ بھی احساسِ تکالیف و عنا[۲] رکھتے تھے
پھر وہ کیا نقص ہے جو ہم میں ہے اور اُن میں نہ تھا — کونسا وصف وہ اپنے میں سوا رکھتے تھے

۱؎ - ستر و اسی یعنی یہی عمر ستر و اسی کے درمیان نبوتی ہیں ان لوگوں کی بھی ہوا کرتی تھیں ۱۲

۲؎ - رنج ۱۲

غیر ازیں ہم کو دکھائی نہ دیا فرق کہ وہ	دل جدا دل کے خیالات جدا رکھتے تھے
دل نہ تھے آئینہ تھے صاف تجلی شفاف	نور ایمان کی صیقل کی ضیا رکھتے تھے
دین و دنیا کو برتتے تھے مگر عدل کے ساتھ	دونوں پلّوں کو ترازو کے تُلا رکھتے تھے
متوکل تھے مگر کوشش و تدبیر کے ساتھ	اونٹ کو تھان پہ کھونٹی سے بندھا رکھتے تھے
طالبِ عزتِ دنیا تھے فقط دیں کے لئے	ورنہ دنیا کو وہ نظروں سے گرا رکھتے تھے
کارِ دنیا میں تھے مشغول بظاہر ہمہ تن	دل مگر یادِ الٰہی میں لگا رکھتے تھے
وعدہ کرتے تھے تو بات اُن کی تھی پتھر کی لکیر	قول کے مرد تھے اور پاسِ وفا رکھتے تھے
امن دیتے تھے تو ہو جاتے تھے آپ اُس کی سپر	نہ کہ کہہ دیتے تھے اور دل میں دغا رکھتے تھے
مستحق حق کی ضرورت اگر آ پڑتی تھی	کہہ گزرتے تھے نہ کچھ باک فدا رکھتے تھے
ڈانٹ بتلائی ہے بڑھیوں نے بلا خوف و خطر	بادشاہوں کو اگر قصدِ خطا رکھتے تھے
جنتری ہیں سے شریعت کی وہ نکلے تھے تو کم[51]	عادت و طور و طریقِ صلحا رکھتے تھے
اُن کے انفاق[52] تھے ایثار کہ دیکھے نہ سنے	گرچہ دنیا میں بہت جود و سخا رکھتے تھے
آپ سو رہتے تھے مہمان کی خاطر بھوکے	بلکہ بچوں کو بھی فاقے سے سُلا رکھتے تھے
سر بکف رہتے تھے اسلام کی خاطر ہمہ وقت	الغرض قوم پر اپنے کو فدا رکھتے تھے
ایک کر ڈالا تھا یاروں نے پسینا اور خون	تب کہیں دین کے گلشن کو ہرا رکھتے تھے
فتنہ بردار کوئی قوم کے حق میں ہووے	خلل انداز وہ کب اُس کو روا رکھتے تھے
فقر و فاقہ کے وہ خوگر تھے بلا رسکراہ	پیٹ کو بھوک کی شدت میں کسا رکھتے تھے
بے تکلف تھے سپاہی منش آزاد مزاج	دین دارانہ ہر اک آن ادا رکھتے تھے
ایک درجے میں گنے جاتے تھے آقا و غلام	نہ کم و بیش نہ چھوٹا نہ بڑا رکھتے تھے

۵۱۔ راست بضبط ۱۲

۵۲۔ انفاق۔ روزی دینا و خرچ کرنا۔ ایثار۔ دوسروں کی منفعت کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھنا کہ یہ کمال درجہ سخاوت کا ہے ۱۲

جتنی باتیں ہیں فضیلت کی شرف کی اُن میں ۔۔۔ سب سے اپنا قدم آگے کو بڑھا رکھتے تھے
جھٹ اڑا لیتے تھی چیز اگر دیکھ پڑیں ۔۔۔ عار رکھتے نہ تھے اور زر من ہار رکھتے تھے
پس وہ ممتاز تھے ممتاز تھے با استحقاق ۔۔۔ لاجرم مسند عزت پہ جگہ رکھتے تھے
کاش وہ دن ہو کہ ہم بھی کہیں ہاں رکھتے ہیں ۔۔۔ کیا ہوا اس سے کہ سو بار کبھار رکھتے تھے
اس قدر بے سر و سامان ہیں کہ آئے نہ یقیں ۔۔۔ کہئے کس منہ سے کہ ہم بھی کبھی کیا رکھتے تھے

مندرجہ ذیل نظم مولٰنا نے مدرسہ طبیہ دہلی منعقدہ ۲۷۔ مارچ سنہ ۱۸۹۷ء میں پڑھی تھی۔

(۱۹)

اگرچہ دیر سے ہیں مجتمع خواص و عوام ۔۔۔ پر اس میں شک نہیں جلسہ ہے اب کا بے ہنگام
کسی طرف سے بھی آواز خوش نہیں آتی ۔۔۔ کچھ ایسا بگڑا ہے نظم لیالی و ایام
وہ بمبئی کہ جو تھا مرکز تجارت ہند ۔۔۔ وبا نے کر دیا گویا کہ اُس کا کام تمام
مقام۔ رت جگے رہتے تھے جن میں ساری رات ۔۔۔ وہ کر رہے ہیں پڑے بھائیں بھائیں ایک شام
حکایتیں جو مصائب کی اُن کی سنتے ہیں ۔۔۔ تو دونوں ہاتھوں سے لیتے ہیں ہم کلیجہ تھام
خدا ہی جانے ہوئیں کتنی عورتیں بیوہ ۔۔۔ خدا ہی جانے ہوئے بچے کس قدر ایتام
جلا وطن ہوئے کتنے کہ جو نہ ٹھہر سکے ۔۔۔ کوئی سیلون کو بھاگا کوئی گیا آسام
مگر پناہ نہیں آ ہوئے حرم کو بھی ۔۔۔ کہیں۔ جہاں میں جب رم قضا بچھائے دام
مرا تو کرتے ہیں لیکن نہ یوں مفاجاۃ ۔۔۔ تپ آئی صبح کو دن چڑھتے ہو گیا سرسام
ہوئی دوپہر تو دنیا سے ہو گئے رخصت ۔۔۔ کہ تپ کے ساتھ ہی آیا تھا مرگ کا پیغام

۵۱۔ یتیم ۱۲ ۔۔۔ ۵۲۔ سیلون یعنی لنکا ۱۲

ہزاروں آدمی گر جان بحق ہوئے تو ہوئے
علاج جتنے کئے سب گئے بے سود
بس اب کھلا کہ طبابت کی اتنی ہستی ہے
سکنجبین کو فرمایا قاطع صفرا
بنی جب اُن کے جانوں پہ اور رہی عاجز
دوا کا حیلہ ہے گر وقت ابھی نہیں آیا
اور آن پہنچا ہے وعدہ تو بس سمجھ رکھو
ادھر وبا ہے یہاں پر قحط اور گرانی سے
غلط کہ عید ہوئی ہم کو کوئی سمجھا دے
ہمیں تو بے زری اور مفلسی نے مار دیا
وبا و قحط سے باقی تھا کیا اجڑنے میں
کجا فراغ ۔ خوشی کیسی ۔ کس کا اطمینان
یہ قحط دور ہو تب کیجیے دل کی بات سے بات
پھری ہوئی ہے خدا کی نظر کچھ اِن روزوں
بساط یہ ہے اور اُس پر گناہ کی جرات
کیا ہے دین و شریعت کا ہم نے استخفاف
اُسی سے ہو سکے ہم سے بدو اُٹھ کے سکو
سوائے توبہ نہیں کچھ علاج قہر خدا
وہ چاہے مار دے ہم سب کو بے وبا بے قحط
گناہگار ہیں پر معترف قصور کے ہیں
جنہیں تو خوش جئیں امن و عافیت سے جئیں

یہ کیا غضب ہے ہوئی طب رہی سہی بدنام
بتائیں جتنی تدابیر سب رہیں ناکام
کہ جھٹ سے لکھ دیا خیساندہ از برائے زکام
مریض ہیضہ کو بتلایا روغن بادام
تو ایسی طب کو سلام اور سلام اور سلام
تو ہوتے دیکھا ہے چٹکی سے خاک کی آرام
دعا دوا کوئی تدبیر بھی نہ آئے کام
مچا ہوا ہے ہر اک گھر میں رات دن کہرام
یہ فاقے کھنچے اگر ہو چکا ہے ماہ صیام
وگرنہ کیا تھا جو ہوتے گرہ میں اپنے دام
مگر بھلے کو نگہبان خلق تھے حکام
اِن آفتوں کے سبب ہو رہی ہے تہی دست حرام
سنا تو ہوگا کہ اول طعام بعد کلام
کہ ہم نے توڑے ہیں اُس کے خدا کے احکام
نمونہ یہ ہے اور اُس پر قصور کا اقدام
مگر خدا کو بھی سمجھا ہے داخل اوہام
اُسی سے بن پڑے نالائقوں کو دے انعام
طبیب ہو کہ طبابت کسی پہ کیا الزام
بقا تجھی کو ہے اے ذوالجلال والاکرام
وسیع ہے تری رحمت کرم ہے تیرا عام
جب آئے موت تو سب کا بخیر ہو انجام

شمس العلما مولٰنا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کی نظم

بہ تقریب جلسہ عام دہلی ڈائمنڈ جوبلی شصت سالہ حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند

(۲۰)

بعد مدت ہوئی خوشی غم میں — کہ پڑی جوبلی محرم میں
ایسی تقریب میں نہ خوش ہوں تو پھر — کیا تفاوت دواب میں ہم میں
ہیں مسلماں رعیت انگریز — ایک طرح پر حروف مدغم میں
روے اک آنکھ اور ہنسے اک آنکھ — رقص کی شان نکلے ماتم میں
دل میں ہو آہ منھ سے نکلے واہ — نفی و اثبات دونوں اکدم میں
زمزمے سے اگر ہو شادی مرگ — ڈوب جائیں گے آب زمزم میں
قحط ہو یا وبا ہو یا افلاس — جائیں سب ایک دم جہنم میں
اٹھو گت بھر کے ہم کو دکھلاؤ — وہ نہیں ہم کہ شاد ہوں کم میں
پر رعایت اصول کی رکھنا — زیر میں بم میں تال میں سم میں
ملکہ کو دعائیں دو دل سے — کہ رہیں تا بدیر عالم میں
آفتاب ان کے عدل کا تاباں — جیسے پورب میں ویسے پچھم میں
پرورش پائے اُن کی ہیبت سے — برّہ بر کنار ضیغم میں
وہ شہنشاہِ روم کی ہوں رفیق — بحر مواج و بر اعظم میں
اور کبھی کشمکش نہ ہو واقع — دونوں کے ارتباط باہم میں
کاش اُڑتا ہوا دکھائی دے — یونین جیک جیش ادہم میں

جناب شمس العلما مولانا حافظ نذیر احمد خان صاحب کی نظم بتقریب جلسہ ڈائمنڈ جوبلی دہلی

(۲۱)

عجب زمانے کی حالت ہے اندنوں ابتر
کہ کوئی خیر نہیں جس میں شر نہ ہو مضمر

کیا ہے روم پہ یورپ نے اس طرح نرغہ
کہ دسترس ہو تو کر ڈالیں اس کو زیر و زبر

بایں قصور کہ اس سلطنت کے صوبے چند
یہ چاہتے ہیں کہ ہو جائیں حاکم خود سر

وہ دیکھتے ہیں کہ اور ان کے بھائی عیسائی
ہوئے ہیں مالک روئے زمیں چہ بحر و چہ بر

انھیں کے ہاتھ میں ہے مدعا چہ نیک و چہ بد
انھیں کے قبضہ قدرت میں ہے چہ خشک و چہ تر

اب ان سے اٹھ نہیں سکتا جوا حکومت کا
علی الخصوص مسلط ہو غیر گران پر

خراج مانگیں تو چلا اٹھیں کہ لوٹ لیا
ہے ان سے بات کا کہنا بھی مارنا پتھر

یہ اونٹ دیکھیے اب بیٹھتا ہے کس کروٹ
کہ بات آن پڑی اختلاف مذہب پر

ادھر عساکر مصری ہیں عازم خرطوم
مقابلے میں ہیں درویش ہو کے سینہ سپر

رکے یہ وہ نہیں طوفان کسی کے روکے سے
بجھے کسی کے بجھائے یہ وہ نہیں اخگر

بہائے خون کے دریا یہ سیل ملکوں میں
یہ آگ کر دے علاقے جلا کے خاکستر

ہو جب مخاصمت مذہبی فریقوں میں
تو صلح کیسے ہو اور التیام ہو کیونکر

نہ وہ مسیح کے قائل کہ تھے وہ ابن اللہ
نہ یہ رسول عرب کا کہا کریں باور

وہ ان کو سمجھیں بدترین مخلوقات
یہ ان کو جانیں ملاعین مستحق سقر

عجیب کشمکش میں ہے ملک افریقہ
لٹک رہا ہے پڑا بیچ میں ادھر نہ ادھر

اٹالینبر میں شادِ جلبش سے بسر کیں
ابھی بھی چین سے رہنا اسے نصیب نہیں
وہی مثل ہے جو پڑھتے ہوئے سنی ہوگی
شکار گرگ نے مارا اور اس پہ ٹوٹ پڑے
اگر نہ ہو خبر خوش تو کیا کرے مخبر
جدھر نگاہ اٹھاؤ ادھر فساد فساد
نہیں کہ ہند ہی آفات دہر سے محفوظ
صفائی ہو گئی حسب قدر صفائی کی
ڈرے بلا سے ہماری بلا کہ ہم کو نہیں
ہمیں پناہ ہے وکٹوریہ کی شفقت کی
گر آسماں نے کیا بخل اور نہ برسا مینھ
جہاں کہیں ہے کوئی شے ز قسم ماکولات
پلیگ آتے تو آئی پر اس نے کیا دیکھا
ہے ایک محکمہ حفظان تندرستی کا
جہاں دیکھے ہوئے ڈاکٹر گروہ گروہ
غرض کہ جو ہوا جو ہو رہا ہے اس سے سوا
دعائیں کیسے نہ دیں شرط آدمیت ہے
کہ وہ ہیں زندہ سلامت بخیر و با اقبال
وہ ہم نہیں کہ شکایت زبان پر لائیں
ہمارا شیوۂ دیں ہے اطاعت حاکم
جز امتثال نہیں کوئی ہم کو چارۂ کار

ہے دو فریق میں دائر شکست و فتح و ظفر
اگرچہ چین نے جاپان سے صلح کی دبکر
کسی سکول کے لڑکے کو آپ نے ریڈر
براہِ حرص شغال و پلنگ و شیر ببر
توقعات پہ بدنام ہے عبث روٹر
مگر نظام تمدن ہے کل یوم بتر
بلائے قحط ہے اور مرگ بے امان فیور
تھے آدمی خس و خاشاک موت تھی [illegible]
کسی گزند سے بیم و ہراس و خوف و خطر
ہم اس کے نیچے وہ ہم سب کی مہرباں مادر
کہ اس کے فیض نے باران سے بڑھ کے بارش زر
ہمارے پاس چلی آرہی ہے لد لد کر
کہ اس کے دفع کی خاطر ہے مستعد لشکر
ہزاروں آدمی از زیر دست تا افسر
یہ کرکے چھوڑیں گے طاعون کو کوئی دن میں بدر
جہاں میں کر نہیں سکتا ہے کوئی فرد بشر
کبھی ہوا ہے کہیں ایسا شاہ نیک سیر
یہی دعا ہے ہماری خدا سے آٹھ پہر
اگرچہ سیل بلا سر سے کیوں نہ جائے گزر
یہی بلا ہمیں حکم خدا و پیغمبر
جز انقیاد نہیں ہم کو کچھ گریز و مفر

کریں خلاف تو اسلام سے ہوئے خارج
کریں عدول تو جانو کہ ہو گئے کافر

پر اپنا حال نہ تم سے کہیں تو کس سے کہیں
کہ تم ہو اہلِ دول ہم فقیر دست نگر

ہوئے ہیں ہم ہدفِ حادثات مدت سے
تمھیں پناہ ہماری، تمھیں ہماری سپر

ہمارا حال ہے ازبسکہ قابلِ عبرت
بیان کیجیے تو یہ جائے خون ہو کے جگر

وہی ہیں ہم کہ کبھی افسری کے شایاں تھے
وہی ہیں ہم نہیں رکھتا ہمیں کوئی نوکر

وہی تو ہم ہیں کہ ہیں کوڑیوں کو اب محتاج
وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ زر و گوہر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے بانیٔ حصونِ قصور
وہی تو ہم ہیں کہ کھپریل بھی نہیں چھپر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے مسندوں پہ جاگزیں
وہی تو ہم ہیں کہ اب فرشِ خاک ہے بستر

وہی تو ہم ہیں کہ باغِ جہاں کی رونق تھے
وہی ہیں ہم خس و خاشاک سے کہیں بدتر

وہی تو ہم ہیں کہ اب سب سے ہیں گئے گزرے
وہی تو ہم ہیں کہ اپنا نہ تھا کوئی ہمسر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ رقابِ امم
وہی تو ہم ہیں کہ اب سب کے ہیں خریدۂ زر

وہی تو ہم ہیں کہ ہے جاہلوں میں اپنا شمار
وہی تو ہم ہیں کہ تھے سب علوم مستحضر

وہی تو ہم ہیں کہ اب پاشکستہ بیٹھے ہیں
وہی تو ہم ہیں کہ سیر و سفر کے تھے خوگر

وہی تو ہم ہیں کہ سب ایک سمجھے جاتے تھے
وہی تو ہم ہیں کہ ستر ہیں بلکہ دو اُوپر

وہی ہیں ہم کہ کبھی ملک داریاں کی ہیں
وہی ہیں ہم کہ ملک سنبھالے نہیں سنبھلتا گھر

وہی تو ہم ہیں کہ اپنا بھی کچھ شعور نہیں
وہی تو ہم ہیں کہ رکھتے تھے غیب تک کی خبر

وہی تو ہم ہیں کہ جادو اُتارے کتنوں کے
وہی تو ہم ہیں کہ اب ہم کو کھا گئی ہے نظر

وہی تو ہم ہیں کہ جس امتحاں میں بیٹھے فیل
وہی تو ہم ہیں کہ تھے پاس اولیں نمبر

لیے بہت مگر ایسے بھی کم لیے ہوں گے
کہ جن کے پاس نہ دولت رہی نہ علم و ہنر

ہم اپنے منھ سے کہیں کیا کہ ایں کن آں کن
جو جی میں آئے کرو رکھو پر کرم کی نظر

شمس العلما جناب مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی کا قطعہ

جس کو مولوی صاحب موصوف نے طلائی کاغذ پر لکھوا کر اور سنہری چوکٹے میں نصب کرا کر مع ایک جلد قرآن مجید مترجمہ خود لفٹننٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں پیش کیا اور قطعہ خود پڑھ کر سنایا۔ ہز ہانس نے بڑی خوشی کے ساتھ مولوی صاحب کے تحفہ کو قبول فرمایا۔

(۲۲)

بدلے گا اب بہار سے قطعاً خزاں کا رنگ	حاکم ہوئے ہیں صوبہ کے سر میکورتھ ینگ
کیا حسن انتظام ہے بسمارک بھی اگر	جرمن سے آ کے دیکھے تو ہو جائے عقل دنگ
ایک نصف دور جن آنکھوں سے گزری ہیں لفٹننٹ	پر ان کے انتظام کے بالکل نئے ہیں ڈھنگ
انصاف اس کو کہتے ہیں عدل اس کا نام ہے	ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں بزغالہ و پلنگ
ملیت تمھاری لشکر اعدا کو دے شکست	ظاہر کا ایک حیلہ ہی کیا توپ کیا تفنگ
منظور ہو جسے کہ ہو ہر طرح کامیاب	بس تم سے آ کے سیکھ لے تدبیر صلح و جنگ
قائل نہ تھے کسی کے مگر تم کو دیکھ کر	ہم ہو گئے ہیں معتقد دانش فرنگ
اب سن کے تم کو حاکم پنجاب خوش ہوئے	تھے اس سے پہلے اہل ہنر زندگی سے تنگ
مجھکو ملا خطاب تو ہے مجھکو اس سے فخر	گو یہ خطاب کو میری نسبت ہے عار و ننگ
ہر چند ہوں کمال و فضیلت سے بے نصیب	پر شکر ہے کہ طبع میں جودت ہے اور امنگ
کہتا نہیں مگر ہے مجھے قدرت ہے نظم پر	لیکن نہیں ہوں دوسروں کی طرح سے دبنگ
لوہا نہیں ہے ذہن کی تلوار کا خراب	ہاں بے مہارتی کے سبب سے چڑھا ہے زنگ
الماس ہے نتیجۂ فیضان تربیت	ہے ورنہ اصل وضع میں اس کی سرشت سنگ
تم پرورش کرو تو کرے مات بوق کو	عند السباق سرعت رفتار اسپ لنگ

عہدِ حکومت آپ کا یوں ہو مفیدِ ملک — سیراب جیسے کرتا ہے کھیتوں کو آبِ گنگ

خلعت اور خطاب شمس العلما یہ دونوں چیزیں میونسپل ہال دہلی کے دربار عام میں کپتان ڈیویس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے ہاتھ سے ملیں اُس وقت اشعار ذیل پڑھے گئے۔ (۱۸۸۷ء)

(۲۳)

کیونکر کہیں کس سے کہیں ہم کون ہیں کیا ہیں — ایک ذرہ ہیں اور نام کے شمس العلما ہیں
انسان کو کہتے ہیں کہ ہے بندۂ احسان — یعنی کہ ہم آوازۂ گنبد کی صدا ہیں
گر شاہ کرے لطف و عنایت تو رعایا — تسلیم و اطاعت میں غلاموں سے سوا ہیں
خود تم کو نہیں مال و زر و سیم کی پروا — اور ہم بھی اِدھر مفلس و بے برگ و نوا ہیں
لیکن دل و جان رکھتے ہیں اور دونوں کے دونوں — سچ مانیو قربان ہیں تم پر سے فدا ہیں
کیا ہو سکے احسانِ گورنمنٹ کا بدلہ — بس جہدِ مُقِل یہ ہے کہ مصروفِ دعا ہیں
جس عہد میں ہم امن سے بیٹھے ہیں الٰہی — قائم رہے جس وقت تلک ارض و سما ہیں
ڈیویس کو خدا لاٹ کرے سب کہو آمین — اِس کشتیِ طوفان زدہ کے ناخدا ہیں

متفرق نظمیں

نظم

(۲۴)

اغیار اگر ہم سے ہوں ناخوش تو عجب کیا — مدت ہوئی ہم آپ ہی اپنے سے خفا ہیں
کرنے کے لئے قالب بیجاں ہیں و لیکن — گر کہنے پہ آجائیں تو آندھی سے سوا ہیں

ہفتاد و دو ملت میں کسی سے نہیں ملتے
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہے امام اس کے ہیں ہم آپ
ہر مرتبہ شرمندہ ہیں ماہِ رمضاں سے
دنیا ہمہ تن درد ہو ہوتے ودہیں کیا
یوں دیکھنے میں ایک ہیں آنکھیں ہیں دو دو
ہونا متعرض نہ مسلماں سے کہ یہ لوگ
پس ماندہ ہیں پہونچ چکی منزلِ مقصود کو وہ قوم
معلوم مسلم ہے کہ اسباب تکلف
بے ان کے بھی جی سکتے ہیں اور جیتے ہیں کتنے
ہستی بھی ہے ایک قید مسلمان کے حق میں
کس دن کے لیے دردسر جمع زر و سیم
تقدیر پہ شاکر ہیں توکل یہ ہیں قانع
سید کے عقائد کی تو کہتے نہیں لیکن
یہ عمر کہ ہے بیٹھ کے اٹھنا متعذر
بد سنتے ہیں اور کرتے چلے جاتے ہیں نیکی
سادات کی عادات ہیں عادات کے سادات
قوم ان کے بزرگوں نے بنائی تھی اور اب بھی
گر ان کو نہ ہو درد ہمارا تو کسے ہو
چندوں کے حواری ہیں مگر ساتھ ہیں وہ بھی
ایک قوم کی قسمت ہی بُری ہو تو کریں کیا
اسلام میں شامل ہیں اور ان سب سے جدا ہیں
ہم آپ ہی آواز ہمی اپنی صدا ہیں
اور ہائے نمازیں ہیں کہ ہر روز قضا ہیں
ایسا بھی مرض ہے کوئی ہم جس کی دوا ہیں
اور پھر بھی پسِ پردہ کورنی و عمے ہیں
دردی کشِ میخانۂ تسلیم و رضا ہیں
جن میں وہی گمراہ ہیں جو راہ نما ہیں
اکثر سببِ زحمت و تکلیف و عنا ہیں
دنیا میں غنی کم ہیں اور اکثر غربا ہیں
فرمانِ اجل آتے ہی مجلس سے رہا ہیں
سب ہیچ ہے جب ہم ہی سرِ راہِ فنا ہیں
کاہل گئے سبھی کار حوالت بخدا ہیں
امت پہ محمد کی دل و جاں سے فدا ہیں
اور قوم کی خدمت میں لگے صبح و مسا ہیں
گویا بشر از صفتِ ملک زیرِ سما ہیں
یہ لوگ مجسم کرم و جود و سخا ہیں
سادات ہی تسکینِ دہِ امید و رجا ہیں
آخر تو یہ اولادِ شہِ ہر دو سرا ہیں
مطعون ہیں بدنام ہیں انگشت نما ہیں
یاں جتنی تدابیر ہیں محکومِ قضا ہیں

بیمار ہے اور اُس کے معالج بھی ہیں حاذق
اور نسخے بھی تاثیر میں معجونِ شفا ہیں

لیکن یہ مصیبت ہے کہ بیمار ہے ضدی
جس سے کہ طبیبوں کے بھی اوسان خطا ہیں

جو چیزیں کہ اُس کے لئے ہیں زہرِ ہلاہل
اِس کو وہی مرغوب ہیں اور اِس کی غذا ہیں

پس اِس کا تو مرنا متیقن ہے عزیزو
اب صبر کریں صبر جو اُس کے ورثا ہیں

نظم دیگر

(۲۵)

نکل جائے ارمان گل کی ہوس کا
جو ہو جائے قسمت سے وا در قفس کا

مگر موت سے ابن آدم ہے عاجز
وگرنہ نہ تھا یہ کسی کے بھی بس کا

ہو انسان کیا ایسی ہستی پہ نازاں
کہ مہماں ہے دنیا میں چند ایک نفس کا

کس آہستگی سے رواں ہیں قوافل
نہ بانگِ حدی ہے نہ نالہ جرس کا

الٰہی وہ کیا ہو گیا زورِ بازو
کہ ہم میں کا ایک ایک مقابل تھا دس کا

اگر اِس کا فیضانِ حکمت ہو شامل
تو ہو شہدِ صافی اُگال ایک مگس کا

جو کچھ تم کو کرنا ہے کر لو عزیزو
کہ اب وقت باقی نہیں پیش و پس کا

بچاتے رہو مے سے دامانِ تقویٰ
نہ لگ جائے دھبہ کہیں اِس نجس کا

عجب کس تھا جو من و سلویٰ کے ہوتے
تھا مشتاق قثّار[۵] و فوم و عدس کا

وہ ہم ہیں اُٹھا لائے بارِ امانت
یہ زہرہ نہیں ہے کسی بوالہوس کا

ہنر ہو تو عزت کو پوچھو ہی پوچھو
مُلا کیا نہ ہو گا کبھی عطرِ خس کا

نہ کرنا مساکین سے بد دماغی
سُنا کیا نہیں تم نے مضمونِ عبس[۵۰] کا

۵۔ ککڑی۔ گیہوں اور مسور ۱۲ ۵۰۔ اشارہ ہے عبس و تولیٰ کی طرف یعنی چیں بجبیں ہونا ۱۲

فراغ و سبک دوشی و بے نوائی
اب آگے کو جینے کا ہے منھ چڑانا
ٹھر اٹھائے آرا اور جگہ سے نہ ٹھسکے
تمدن میں داخل ہوئی وضع یورپ
کہیں اب کے جلسے میں ایسا نہ کرنا

نہ درباں کی منت نہ احسان عسس کا
ہوا جب کہ سن ساٹھ اسٹھ برس کا
قدم اُٹھ چکا راہ میں ایسے ٹھس کا
چلن ہو چلا اسکہ ملتبس کا
کہ ناغہ ہو معمول برسا برس کا

نظم دیگر

(۲۶)

عزیزو! کبھی تم نے یہ بات سوچی
عجب لیکر آئے تھے قسمت خدا سے
زمانے کے آخر میں پیدا کیا تھا
موقر تھے مقبول تھے محترم تھے
وہ مذہب ہی قدرت سے ایسا ملا تھا
تھے اسلام سے پہلے بدتر سے بدتر
اسی واسطے اُس زمانے کے کافر
شیاطین کی یک لخت گدی اُلٹ دی
ادب قاعدہ سب کچھ اُن کو سکھایا

رہے کیوں مسلمان موچی کے موچی
سر چشمۂ آب حیواں پیاسے
خدا نے مگر اِن کو سب کچھ دیا تھا
بہر کیف ہر طرح خیر الامم تھے
کہ فتح و ظفر اُس کا عاجل صلہ تھا
مسلماں ہوئے ہو گئے خلق آخر
جنابِ پیمبر کو کہتے تھے ساحر
جسے چھو گئے اُس کی کایا پلٹ دی
بہائم کو انسان و آدم بنایا

نظم دیگر

(۲۷)

آج دیکھو مشن کے لڑکوں نے — چھوٹتے چھوٹتے بڑھائی پینگ
سب کو جلسے میں کھینچ بلوایا — اِس کو شیخی قرار دو یا ڈینگ
یعنی بچھڑوں میں کتنے بوڑھے بیل — آن شامل ہوئے کٹا کر سینگ
یہ جو لکچر ہے۔ اپنے گھر جا کر — اِس کو چاٹا کرو لگا کر ہینگ

یہ رقعہ حسب فرمایش منشی احمد حسین بہ تقریب شادی انوار حسین ۱۳۰۹ھ میں لکھا گیا

(۲۸)

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست — آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید
نقدِ مطلب سے ہوئی جیب تمنا معمور — ہیں گلہائے فرح بخش سے دامانِ امید
شکر صد شکر کہ جی کھول کے نکلے ارمان — شکر صد شکر ملی قفل مسرت کی کلید
یعنی فرزند جگر بند عزیز دولہا — غازۂ روئے خرد خالِ رخِ بختِ رشید
اُن کی عادات ستودہ ہمہ خوبی و صلاح — اُن کے اطوار پسندیدہ ہوا وصاف حمید
چشم بد دور یہی نام اُن کا محمد انور — حبیب کہ ہو نام ہمایوں سے حسین اُس میں مزید
صبح اتوار کو عقد اُن کا ہے ماشاء اللہ — اس مہینے کی ہے چوبیسویں اور روز سعید
ہمہ داں حامی دیں مولوی ابو المنصور — جن کے افضال سے آگاہ ہیں نزدیک و بعید
اُن کا دولت کدہ ہے بزم گہ عقد نکاح — کہ وہ خود جائے مبارک ہے مگر قابل دید

نہ مزامیر نہ باجا نہ سرود اور نہ رقص	اور نہ بدعت کے مراسم سے کوئی امرِ جدید
سر بسر خالصۃً حکمِ خدا کی تعمیل	مو بمو قاطبۃً شرعِ نبی کی تقلید
عقد کے دوسرے دن ہو گا ولیمی کا طعام	جو میسر ہو ز نان و نمک و آش و ثرید
آپ اگر لائیں گے تشریف براہِ شفقت	میں یہ سمجھوں گا کہ بے دام لیا مجھکو خرید

ذیل کی نظم مولانا نے جلسۂ مدرسہ طبیہ دہلی منعقدہ ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۸ء میں پڑھی تھی مگر بادلِ ناخواستہ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "لکچرار ہوئے۔ پبلک اسپیکر ہوئے مرثیہ خواں ہوئے۔ قوال ہوئے۔ گویئے ہوئے کہ ہیں یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ان کا اکثر قاعدہ ہوتا ہے کہ لکچر یا اسپیچ یا مرثیہ یا راگ شروع کرنے سے پہلے اوبدا کر عذر کر لیا کرتے ہیں کہ تحریک نزلے کی وجہ سے میرے گلے میں خراش ہے یا رات ایک دوست کے ہاں دعوت تھی دیر تک جاگنا پڑا بدخوابی کے سبب دردِ سر ہے یا فرصت نہیں ملی اور میں لکچر یا اسپیچ کے لئے تیار ہو کر نہیں آیا...... اب رہی خطابت کرنے پر آؤں تو کر بھی لوں۔ مگر تصنیف و تالیف کو جس میں مَیں مشغول رہتا ہوں لوگوں کے لئے زیادہ مفید پاتا ہوں۔ اس لئے خطابت کو پیشہ نہیں بناتا اور نہ پیشہ ور خطیبوں کی طرح لکچر سے پہلے عذر کرتا ہوں کہ میری آواز بیٹھی ہوئی ہے میرا سر دکھتا ہے۔ مگر ہاں خلافِ عادت ایک عذر تو آج میں بھی کرتا ہوں کہ علیٰ رغم انف الاطباء و طلبۃ المدرسۃ الطبیہ و اساتذتہم و معلمیہم ماشاء اللہ سنا کرتا ہوں مگر خوش دلی نہیں اور نہ صرف میں اکیلا خوش دل نہیں آڈینس خوش دل نہیں پنجاب پراونس خوش دل نہیں برٹش انڈیا خوش نہیں۔

در عالمِ بے وفا کسے خرّم نیست	شادی و نشاط در بنی آدم نیست
آں کس کہ دریں زمانہ اورا غم نیست	یا آدم نیست یا دریں عالم نیست

..... خدا کا برتاؤ تو دنیا میں لوگوں کے ساتھ ایک ہی طرح کا دکھائی دیتا ہے قحط تھا تو ہندو مسلمان یہودی عیسائی سب ہی کے لئے تھا۔ طاعون ہے تو سب ہی پر ہے زلزلے آئے تو سب ہی پر آئے۔ مگر میں ایک تازہ مصیبت کی باسی خبر دیتا ہوں جو خاص مسلمانوں کے حصّے کی ہے۔ ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب بہادر۔ کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ال۔ ال۔ ڈی کا انتقال پُر ملال ..... وہ انقباضِ خاطر جس کا میں نے عذر کیا اُس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب سید احمد خاں کی وفات بھی ہے کہ اُن کو میں نے اپنے اِن ہاتھوں سے مٹّی دی ہے۔ وہ مٹّی تو میں نے اُسی وقت دُھو ڈالی تھی مگر اُن کے غم و الم کا دل سے دُھلنا مشکل ہے۔ تو آج یہ لکھ کے عوض انقباضِ خاطر کا عذر پیش کرنے آیا ہوں۔

(۲۹)

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کسی شان میں گرچہ قاصر نہیں
سفر دور اور روگ مارے ہوئے
پہنچنے نہیں پائے تھے کال سے
ہزاروں کے گھر کر دیئے بے چراغ
اب آگے تحمل کا یارا نہیں
جو طاعون سے قحط سے تھے معاف
غرض موت کا گرم بازار ہے
پھر آخر کو سرحد کی جنگ و جدال
بہ افراط مُلکی خزانوں کا خرچ

کہاں کی رباعی کہاں کی غزل
مگر یاں طبیعت ہی حاضر نہیں
کہیں خشک سالی کے مارے ہوئے
کہ طاعون آ دھمکی پامال سے
نہیں اب دلِ زار میں جائے داغ
کہ دل ہی تو ہے سنگ خارا نہیں
وہاں زلزلوں نے کیا ہاتھ صاف
زمیں پر مگر آدمی بار ہے
اک آندھی چلی کر گئی پائمال
اور اس پر گراں قدر چاولوں کا خرچ

گورنمنٹ کا گر نہوتا کرم	قیامت کے سامان تھے سب بہم
ہمارا انھیں ہر گھڑی دھیان تھا	کیا جس کے کرنے کا امکان تھا
بچایا جلایا بسایا ہمیں	رکھا ان کی رعایا خدایا ہمیں
الٰہی یہ شاہ رعیت نواز	کہ عمرش باقبال و دولت دراز
خلائق پہ دائم رہے مہرباں	نہ دل سے آمین کہو یک زباں
ہو توفیق خیر اس کے حکام کو	کہ آرام دیں خاص کو عام کو
اور اک یہ کہ میں خود بھی جیتا رہوں	کہ ہر سال یاں آ کے لکچر کہوں

عدالت رہے مجھ سے کوسوں پرے
کہ اس طرح کا زندہ دل کیوں مرے

---

۲۰ اپریل ۱۸۹۸ع کو دلّی والوں نے سید احمد خاں مرحوم کی وفات پر رنج والم ظاہر کرنے کے لیے ٹون ہال میں جلسہ کیا۔ صاحب کمشنر جلسے کے پریزیڈنٹ تھے۔ اس موقع پر جو لکچر مولانا نے دیا اس میں چند شعر یہ تھے۔

(۳۰)

کیا کہیں مشغلہ لکچر کا اجی چھوٹ گیا	ہم سے اک بار چھٹا ایسا کہ جی چھوٹ گیا
صبر رخصت ہوا سنتے ہی ترا عزم سفر	تم تو کل جاؤ گے یہ ہم سے ابھی چھوٹ گیا
نہ سہی پر۔ تجھے دکھلاؤں گا اپنی پرواز	گر قفس سے ترے صیاد کبھی چھوٹ گیا

ذیل کی نظم حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے عطائے خطاب "حاذق الملک" کی تقریب پر جلسہ تہنیت میں مولانا نے پڑھی جو ٹون ہال دہلی میں منعقد ہوا تھا۔

(۳۱)

ہوتی ہے یوں تو اوروں کو عزت خطاب سے / لیکن ہوئی خطاب کو عزت جناب سے
تم نے ہی اس کو پھر سے جمایا وگرنہ لوگ / خارج ہی کر چکے تھے طبابت نصاب سے
اک تہلکہ ہے ملک میں طاعون کے خوف سے / ڈرنا ہی سب کو چاہیئے اُس کے عذاب سے
حاذق ہیں آپ فرضِ حذاقت نہ ہو قضا / خالی نہیں رہی کوئی طاعت ثواب سے
آنے نہ پائے شہر میں طاعونِ نابکار / ایسا نکالیئے کوئی نسخہ کتاب سے
یعنی بیاضِ خاص جو پہونچی ہے آپ کو / محمود خاں صاحبِ غفراں مآب سے
اور آ بھی جائے خیر تو کوئی نہ ہو ہلاک / طفلِ رضیع و مرد و زن و شیخ و شاب سے
طاعونیوں کو زحمتِ نقلِ مکاں نہ ہو / عورات گھر میں بیٹھی رہیں احتجاب سے
اور یہ نہیں تو موہم[۱] سوءِ ادب نہ ہو / واقف نہیں طبیب حقیقت کے باب سے

مندرجہ ذیل نظم مولانا نے دہلی دربار کے زمانے میں جب وہاں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا پڑھی تھی۔ اس نظم کو سید محمد عبدالغفور صاحب شہباز نے مخمس کیا تھا۔ یہاں صرف مولانا کی نظم درج کی جاتی ہے۔

(۳۲)

آتے دکھائی دیتے اپنے بھی دن بھلے ہیں / یعنی کہ اب مسلمان کچھ کچھ سمجھ چلے ہیں
کچھ کچھ سے لیکن اُن کو ٹھنڈک پڑے تو کیونکر / جو دل کہ مدتوں تک اُن غم کے لیئے جلے ہیں
گر علم کی طلب ہو صادق انھیں تو جانیں / ورنہ تماشئی یہ سب جوش و ولولے ہیں

۱۔ جائے وہم ۱۲

روباہِ ناتواں ہیں پس خوردہ خوار اُس پر
یورپ نے خشک و تر کو دنیا کے کھوند مارا
اک باغ ہے یہ کالج اور نونہال بچے
اب وقت وہ نہیں ہے جو ہو چکے ہیں پہلے
حقا کہ دوسری ہے دنیا میں ملک داری
کیا پیش لائے دیکھیں تقلید وضع یورپ
منزل پر آن پہنچے جو چل پڑے سویرے
گھر بار سب لٹا دیں تن پروری کے پیچھے
ہے اختلافِ مذہب اک سیہ کا سا کانٹا
عزت کے ساتھ روزی بس ہو چکی میسر
اعمالِ زشت اپنے آخر یہ رنگ لائے
دید و خوشی سے ورنہ ہم لیں گے دیکھے دھرنا
غفلت ہے اور مسلماں جس حال میں جہاں ہیں
صوفی و شیخ و زاہد عالم ادیب ناصح
کُل آدمی ہیں کندن کر علم و معرفت ہے
دنیا سے زہد و نفرت اک شان خود کشی ہے
بی اے کے امتحان کو اک پاتر اب سمجھو
پڑھنے کی کس کو فرصت مفلس کو فکر ناں ہے
گاتے تھے چند لڑکے نظمِ نذیر احمد
لگڑے سے آسمان کے ثابت بچا نہ کوئی

شیروں کے ساتھ آگر ٹھہری مقابلے ہیں
اُنکی ہی ہمتیں ہیں اُن کے ہی حوصلے ہیں
دیکھو تو کیسے پھولے اور کس قدر پھلے ہیں
بدلے ہوئے جہاں ہیں سارے معاملے ہیں
کیا سلطنت کریں گے بھونروں میں جو پلے ہیں
کوے ہیں چال ساری ہم ہنس کی چلے ہیں
ہم رہ گئے پھسڈی جو دن ڈھلے چلے ہیں
دینے کے نام خالی آرے ہیں اور بلے ہیں
اول مناظرے ہیں آخر مجادلے ہیں
گر ایسی غفلتیں ہیں اور یہ مسابلے ہیں
بگڑے ہوئے سے ہیں طاعون و زلزلے ہیں
تم پوچھو تو کہیں سے ہم بے لیے ٹلے ہیں
گویا کہ ایک سانچے میں سب کے سب ڈھلے ہیں
اپنی جگہ پڑے ہیں پر تیل میں تلے ہیں
اور یہ نہیں تو یار و شی کے سب کھلے ہیں
یہ منع وہ عبادت کیا خوب مسئلے ہیں
پھر اس کے بعد کتنے دشوار مرحلے ہیں
اور جو غنی ہیں اُن کو کچھ اور مشغلے ہیں
اِن پاس یا الٰہی ارگن ہیں باگلے ہیں
تیری طرح کے دانے اس نے بہت دلے ہیں

یہ اجتماعِ مردم بس وراد آخری ہے	موقوف جس پہ قومی قسمت کے فیصلے ہیں

ذیل کی نظم بھی مذکورہ بالا کانفرنس میں پڑھی تھی۔

(۳۳)

نگاہِ لطف و عنایت ذرا خدا کے لیئے — کہ ہم سب آئے ہیں خدمت میں التجا کے لیئے

نہ دید سے ہی غرض اور نہ سیر سے مطلب — ہوئے ہیں جمع ہم اک خاص مدعا کے لیئے

ہماری قوم ہے بیمارِ محتضر یہ مثل — اب اس کی زیست ہے بس آخری فنا کے لیئے

مگر جو اس کے ہواخواہ ہیں وہ کہتے ہیں — جو امرِض کے لئے ہے مرض دوا کے لیئے

خدا کے فضل سے کوئی نہ ہو کبھی مایوس — محال و باطل و مشکل ہے ماسوا کے لیئے

اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے فنا و بقا — بنا ہے عالم اسباب ابتلا کے لیئے

کوئی بتا نہیں سکتا مآلِ مستقبل — یہ علم خاص ہے بےچون و بےچرا کے لیئے

خدا ہی جانے کہ کیا کس کو پیش آنی ہے — کوئی تو سمت مقرر کرے ہوا کے لیئے

اگرچہ حال ہے بیمار کا ردی لیکن — ہمارا فرض ہے کوشش کریں شفا کے لیئے

نہیں ہے یہ کہ علاجِ مرض نہیں معلوم — نہ یہ کہ جائے ہے تشخیص میں خطا کے لیئے

علاج وہ جسے یورپ نے آزما دیکھا — تو کیوں مفید نہ ثابت ہو ایشیا کے لیئے

دل و دماغ و سر و سینہ جو دہانِ یہاں — وہی ہے معدہ کی اک دیگچی غذا کے لیئے

گر ان میں ہم میں تفاوت ہے کچھ تو رنگت کا — وگرنہ ایک سے سانچے ہیں دست پا کے لیئے

سروں میں دونوں کے ہیں تعبیہ[۱] چشم و دو گوش — و معدے رکھنے کو یہ شمو اپنے حمد لکے لیئے

کمی ہے ہم میں تو اک علم کی کہ علم مفید — ہماری قوم میں سے اٹھ گیا صدا کے لیئے

۱؎ - آراستہ کرنا - ۱۲

شمار میں ہیں کروروں ولیک مَرد شناس
ہمارا علم ہی الفاظ کا اُتار چڑھاؤ
کسی کے ذہن میں گر ہی بلند پروازی
مگر وہ فلسفہ جو کچھ بکار خلق نہیں
ذلیل ہو گئے ایسے کہ مُنھ دکھانے کی
ہمیں جو صید زبوں[۵۳] سب نے دیکھ پایا ہی
کبھی تو چین ہو کیا اے تداول[۵۴] ایام
دوا ہوئی بھی تو کیا جب وہ اتنی مہنگی ہی
جو ہم میں شاذ کوئی ہی امیر دولت مند
اُسے کسی کی مصیبت کی ہو چکی پروا
کبھی سُنا نہیں اُس نے کہ کیا بلا ہی قوم
اگرچہ قوم میں ہیں نسبتہً غریب بہت
لباس موسم گرما میں گو نہیں درکار
وہ بد نصیب کہاں پائے رخت سرمائی
بر اتفاق بجائے خورش ہی دولت و ملک

جو ڈھونڈیئے تو میسّر نہیں دوا کے لیئے
کہ اتنا بس ہی فضیلت کی انتہا کے لیئے
تو علم فلسفہ سُلّم[۵۱] ہی ارتقا[۵۲] کے لئے
نہ اِس زمیں کے لئے اور نہ اُس سما کے لئے
جگہ نہیں ہی کسی مرد باخدا کے لئے
ہر ایک بے سبب آمادہ ہی جفا کے لئے
ہمیں ہیں دلنے تو گردوں کی آسیا کے لئے
کہ گنج چاہیے قارون کا بہا کے لئے
تو اُس کا مال ہی اصراف ناروا کے لئے
جو معتقد ہی کہ ہی عیش اغنیا کے لئے
نہ یہ کہ اُس کا تموّل ہی ماشما کے لئے
کہ دن کو فاقہ ہی اور کچھ نہیں عشا[۵۵] کے لئے
مگر ہی لازمہ زندگی شتا[۵۶] کے لئے
کہ جن کے پاس نہیں چیتھڑا ردا کے لئے
یہ بن پڑے تو بس اکسیر ہی غنا کے لئے

۵۱۔ سُلّم۔ نردبان چوبیں یعنی سیڑھی ۱۲
۵۲۔ ارتقا۔ اونچا جانا ۱۲
۵۳۔ صید زبوں۔ شکار آسان و عاجز ۱۲
۵۴۔ تداول۔ باہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا۔ مراد تنگی زمانہ سے ہی ۱۲
۵۵۔ عشا۔ رات کا کھانا ۱۲
۵۶۔ شتا۔ موسم سرما ۱۲

مگر یہاں تو کسی کو نہیں کسی سے لگاؤ
کہاں سے آئیں خزانے جدا جدا کے لیے

غرض نظر نہیں آتی کوئی سبیلِ فلاح
تو آؤ دل کے اٹھیں ہاتھ بہرِ دعا کے لیے

الٰہی ہم تو ہیں نااہل و ہیچ کارہ محض
تو ہی ہے مرجعِ حاجات ہر گدا کے لیے

ہماری کوتاہیوں پر نظر نہ کر یارب
نہ دیکھ کردہ و ناکردہ مصطفٰے کے لیے

یہ عہدِ عافیت و عدل و امن و آزادی
صلائے عام ہے ہر کوشش آزما کے لیے

اسے ثبات ہو اور ہم کو جہد کی توفیق
کہ اجر و مزد ہے موعود ما سعےٰ کے لیے

ہمارے قبضۂ قدرت میں ہوں خزائنِ ارض
زمیں ہمارے لیے ہے ہم فقط خدا کے لیے

اشعار ذیل لکچر چھپنے کے بعد سفرِ بمبئی کے وقت تصنیف فرمائے تھے اور سنہ ۱۹۰۳ء کے کانفرنس بمبئی میں لکچر دینے سے پہلے مجلسِ کانفرنس میں پڑھے تھے۔

(۳۴)

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

کہتے ہو ہم بمبئی مشتاقِ لکچر دیر سے
طائفہ۔ پر یہ تو فرماؤ کہ کھٹوائیں گے کیا

آئے ہیں لینے تو دھرنا دے کے لیں گے صاحبو!
اب تو سر ہیں بمبئی کے لے لئے جائیں گے کیا

ہاں یہ پوچھو بن گئی گر اپنی یونیورسٹی
اُس میں رکھ کر طالب العلموں کو پڑھوائیں گے کیا

اُن کو پڑھوائیں گے اسلامی اخوت کا سبق
بے اخوت قوم کو یہ نفع پہنچائیں گے کیا

رحمت اے دستِ جنوں رحمت سے فارغ کر دیا
جیب و داماں دونوں غائب ہیں تو سلوائیں گے کیا

۱۵ـ آوازۂ بخشش ۱۲

عام دعوت ہی مگر لوگوں کا ہی اتنا ہجوم   گر گئے بھی ہم تو دھکوں کے سوا کھائیں گے کیا
حضرتِ ناصح جو آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ   کوئی ہم کو یہ تو سمجھائے کہ سمجھائیں گے کیا
کاہلی۔ جہل اور تعصب ذلت اور بے غیرتی   وعظ کے صیقل سے یہ سب زنگ چھٹ جائیں گے کیا
حج کو جائیں سر کے بل لیکن یہ آتا ہے حجاب   اُس رسولِ پاک کو مُنہ اپنا دکھلائیں گے کیا
اُن کو تکثیر[51] سوادِ قوم پر تھا فخر و ناز   فخر کرتے وقت ہم حبشیوں کو گنوائیں گے کیا

ذیل کے اشعار بھی بمبئی کانفرنس کے لئے ارشاد فرمائے تھے جو لکچر کے ساتھ سنہ ۱۹۰۳ء کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں پڑھے تھے۔

(۳۵)

سُن اے بمبئی تجھ پہ پیروں کا سایہ
عرب کا وزرہ ہند کی سرزمیں میں
بھرے تجھ میں ہیں مال و زر کے خزانے
تجارت کا تجھ کو عجب گُر ملا ہے
تو گلدستۂ علم و فضل و ہنر ہے
غرض تیری ہر ایک ادا ہم کو بھائی
ہیں شہر اور بھی پر ہے کیا بات تیری
سمندر کا ساحل ترا مستقر ہے
تہی دستی اور مفلسی بد بلا ہے
نہ ہوں گر میمن[52] بوہر[53] نمایاں

تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا
تو گویا کہ برزخ ہے دنیا و دیں میں
شرف تجھ کو بخشے ہیں کتنے خدا نے
سمندر سے اک بے بہا دُر ملا ہے
حکومت کا صوبے کی ہیڈ کوارٹر ہے
خصوصاً تری رنگتی اور صفائی
مکانات تیرے عمارات تیری
حکومت تری بر سرِ بحر و بر ہے
مگر دیکھ کر تجھ کو جی خوش ہوا ہے
مسلمان رہ جائیں مشتے گدایاں

۵۱۔ تکثیر۔ کثرت و سواد بمعنی ذہن ۱۲   ۵۲۔ گروہ میمن ۱۲   ۵۳۔ گروہ بوہرہ ۱۲

نہیں یہ کہ اوڑھے ہوئے شال سب ہیں
ولیکن بہرحال خوش حال سب ہیں
مگر ہم کو تم سے شکایت بڑی ہے
ہمیں قوم کی تم کو اپنی پڑی ہے
قدم رنجہ فرماؤ چل کر تو دیکھو
ذرا گھر سے باہر نکل کر تو دیکھو
مسلمان کس رنگ کس حال میں ہیں
تمام اِن کی خرمستیاں کھال میں ہیں
یہ مانا[51] کہ تمکو ذرا غم نہیں ہے
غم قوم سمجھو تو کچھ کم نہیں ہے
پر اگر نہ مانو تو اک بات پوچھیں
سبب پوچھیں اور وجہ مافات پوچھیں
فقط ہند میں ہیں مسلمان کتنے
کہو چھ کروڑ اور اوپر سے اتنے
تو کیا تم سب آپس میں بھائی[52] نہیں ہو
اُسی ایک دیں کے فدائی نہیں ہو
اگر مختلف فیہ ہیں چند باتیں
تو کیوں اُن پہ مکے چلیں اور لاتیں
جو کرتا ہے[53] تمکو کرو ایک بن کر
بدی[54] کو دباتے رہو نیک بن کر
زمانے میں ہر اک کی حالت جدا ہے
شہنشاہ ہے کوئی کوئی گدا ہے
سیدہی مسرف[55] ہے خراج کوئی
رہے کوڑی کوڑی کو محتاج کوئی
کسی کو نہیں امتلا سے افاقہ
کسی کو ہے ناچار دو دن کا فاقہ
پہنتا ہے پشمینہ یک لخت کوئی
ٹھٹھرتا ہے جاڑے میں کم بخت کوئی

۵۱ ۔ اے ترا باقبال تو در عالم نیست ✣ گیرم کہ غمت نیست غم ما ہم نیست ۔ ۱۲

۵۲ ۔ انما المومنون اخوۃ (مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی) ہیں ۔ ۱۲

۵۳ ۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ۔ اور سب مل کر مضبوطی سے اللہ (کے دین) کی رسی کو پکڑے رہو اور ایک سے الگ نہ ہونا ۔ ۱۲

۵۴ ۔ ادفع بالتی ھی احسن الخ ۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو (اگر ایسا کروگے) تو (تم دیکھ لوگے کہ) تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ (تمھارا) دل سوز دوست ہے ۔ ۱۲

۵۵ ۔ بیجا خرچ کرنے والا ۱۲

نہ پیارا خدا کا ہی وہ جو غنی ہی — نہ مفلس سے اللہ کو دشمنی ہی
مگر جو ہی جس حال میں ہی جہاں ہی — ہر اک کا لیا جا رہا امتحاں ہی
امیروں سے کیا چاہتے ہیں سخاوت — غریبوں سے صبر و شکیب و قناعت
تو اے صاحبو دل میں انصاف کر لو — سمجھ لو اگر شبہہ ہی صاف کر لو
کہ جو کچھ ہی اُس کو تم اپنا نہ جانو — خدا کی امانت اِسے کر کے مانو
کفایت شعاری سے اِس کو اُٹھاؤ — ضرورت سے زائد نہ پہنو نہ کھاؤ
اگر ایک کوڑی بھی کی صرفِ بے جا — کیا جائے گا پلپلا سر کا بھیجا
پس انداز ہو خرچ سے جو کمائی — کرو اُس سے لوگوں کی حاجت روائی
سو یہ مسئلہ ہو چکا ہی مُسلّم — ہی تعلیم سب حاجتوں میں مقدم
سب اغراض کو بر ہدف تیر ہی یہ — کُل امراض کے حق میں اکسیر ہی یہ
تو اس فنڈ کے اہل مہدی علی ہیں — اگر ہم مسلمان ہیں یہ ولی ہیں

۵۱ - ولولا ان یکون الناس امۃ الخ . اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو (سازو سامانِ دنیا ہمارے ہاں اِس قدر حقیر ہی کہ) جو لوگ منکر (خدائے) رحمٰن ہیں اُن کے لئے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کرا دیتے اور (چھتوں کے علاوہ چاندی کے) زینے کہ اُن پر چڑھتے (اُترتے) اور (چاندی ہی کے) اُن کے گھروں کے دروازے (کر دیتے) اور (چاندی ہی کے) تخت کہ اُن پر (مزے سے) تکیئے لگا لگا کر بیٹھتے اور (چاندی ہی نہیں بلکہ) سونے کے (بھی) اور (پھر بھی) یہ تمام (سازو سامان) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہیں اور (اے پیغمبر مفاد) آخرت تمھارے پروردگار کے ہاں پرہیزگاروں (ہی) کے لئے ہی ۵۲ - لیبلوکم فیما اتٰکم - تاکہ جو نعمتیں تم کو دیں ہیں اون میں تمھاری (شکر گزاری اور فرماں برداری کی) آزمائش کرے . ۵۳ - ولا تجعل یدک الخ - اور (اے پیغمبر) اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ دو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہی اور نہ بالکل اُس کو پھیلا ہی دو (ایسا کرو گے) تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم پر ملامت بھی کریں گے (اور) تم تہی دست بھی ہو گے . ۱۲

اگر قوم تعلیم سے بہرہ ور ہو — تو ہم بخش دیں سلطنت بھی - اگر ہو

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

یہ چندے پھر آخر کو واپس ملیں گے — وہاں چل کے اک اک کے دس دس ملیں گے
اگر اِس سے بڑھکر کسی کو ہی ہُو کا — تو قرآن میں وعدہ ہی سات سَو کا
جنابِ الٰہی میں اب ہاتھ اُٹھاکر — نذیر احمد اِن سب کے حق میں دعا کر

جہاں میں خوش و خرم و شاد رہنا
بفضلِ خدا دیر آباد رہنا

مندرجہ ذیل نظم مولانا ممدوح نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھارھویں اجلاس میں بمقام لکھنؤ دسمبر ۱۹۰۴ء میں پڑھی۔

(۳۶)

گرچہ ہی شعر و سخن سے مجھے کلّی نفرت — اک مصیبت ہی مگر طبع کی موزونیت
اونگھنے کو ہوا کرتا ہی بہانا جس طرح — ٹُھیلنے کا ہی حالت ہی یہی کیفیت
اک تقاضائے طبیعت ہی دوم فرمائش — محسن الملک کا کہنا نہ کروں کیا طاقت
ہاں میں ہاں جو نہ ملائے وہ سرستی کیسا — نیچری کیا۔ نہ کرے ان کی اگر تبعیت
ایک مشکل ہی بڑی اور کہ اِس مجمع میں — نظم کا نام ہوں۔ میری نہیں پڑتی ہمت

۱۵. مثل الذین ینفقون اموالھم الخ. جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی (خیرات کی) مثال اُس دانے کی سی ہی کہ جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ ہر بال میں سو دانے اور اللہ برکت دیتا ہی جس کو چاہتا ہی اور اللہ (بڑی گنجایش والا (اور ہر ایک چیز کے حال سے) واقف ہی۔

لکھنؤ ہے یہ اور اس خطّے کے رہنے والے
پشتہا پشت سے شغل ان کا ہے تحسینِ زبان
قابلیت جو تھی سب صرف ہوئی لفظوں میں
وہی اک عشق کا رونا ہے ہر اک صورت سے
اس نے کر دی ہیں بہت سلطنتیں خاک سیاہ
ڈوب مرنے کی جگہ ہے عرقِ خجلت میں
سلطنت کا نہیں زنہار ہمیں رنج و ملال
سلطنت ہی کا ہے خمیازہ یہ سب رسوائی
سلطنت ہی نے کیا قوم کو سست اور کاہل
سلطنت ہی نے خراب ان کے کیے سب اخلاق
سلطنت ہی سے مٹی صورتِ ظاہر کی تمیز
سلطنت ہی کا تھا یے قاعدہ اگلا اسلوب
حاکمِ وقت نہ ہو جس پہ مُسَیطِر[۱] کوئی
وہ جو چاہے سو کہے ور نہ سکے کوئی جواب
بندۂ حلقہ بگوش اُس کی رعایا ہے تمام
خرچ کرتا ہے زر و مال کو بے درد و دریغ
ایسا آزاد منش جس پہ کوئی روک نہ ٹوک
ادب آموزِ رعایا ہوا کرتا ہے رئیس
وہ مثل ہے کہ خدا گنجے کو ناخن نہ دے
رنج اگر ہے اور اگر رنج کے قابل ہے تو یہ

رکھتے ہیں شاعری و حُسنِ بیان میں شہرت
یہی معیارِ فضیلت ہے یہی علمیت
اور مضامیں کی اگر پوچھو تو بس خیریت
نہ لگائے کسی بندے کو خدا اس کی لت
حیف ہے گر نہ ہوا اس پہ بھی کسی کو عبرت
جتنے ہم جیتے ہیں اس حال میں سب بے غیرت
ہم تھے نا اہل۔ گئی شکرِ خدا و المنّت
سلطنت ہی کا نتیجہ ہے یہ ساری نکبت
سلطنت ہی نے کیا ان کو سراپا غفلت
سلطنت ہی نے سکھائی ہے انھیں بد عادت
کس کو کہیے کہ مسلماں ہے یا ہندو مت
کبھی وہ رحمِ الٰہی تھی کبھی تھی زحمت
حاکمِ وقت نہ ہو جس کو کسی کی دہشت
وہ جو چاہے سو کرے اینچ نیار و حجت
زر خرید اُس کے ہیں گویا بادائے قیمت
حاصلِ مُلک اُسی کا ہے فقط بے شرکت
دیو سفّاک ہو یا شاہ فرشتہ خصلت
دل ہو بیمار تو ہو جسم کو کیوں کر صحت
کہ کرے گنج کو گنجینۂ درد و کلفت
کہ گئی ہاتھ سے ایجنسی ربّ العزت

لے ۔ نگہبان ۱۲

وہ خلافت نہ تھی فی الجملہ خدائی تھی- اگر
دیکھنا دیکھا ہی ہم سا بھی کوئی دشمن کام
ہند کا خطۂ زرخیز نہیں جس کی نظیر
رشکِ یورپ اسے ہونا تھا- مگر عند اللہ
شرط یہ بھی ہوئی پوری تو نہیں اب باقی
سر میں دو کان ہیں اور منھ پہ ہیں آنکھیں دو دو
ہٹے کٹے ہو اپاہج نہیں معذور نہیں
پھوٹ ڈالنے کر دیے ہیں قوم کے اعضا مفلوج
ہو گی جب ہو گی کبھی حشر میں نفسی نفسی
ایک کو ایک کا افسوس نہیں درد نہیں
کس زباں میں انھیں کس طرح کوئی سمجھائے
سب مثالوں میں ہی برجستہ یہی ایک مثال
قوم اک جسم ہی افراد ہیں اس کے اعضا
درد کرتا ہی جسد میں سے اگر ایک مسام
قوم کے بننے بگڑنے کا یہی ہی معیار
گر سند چاہتے ہو اس کی تو دیکھو تاریخ
کیا کہا میں نے یہ بے سوچے کہ دیکھو تاریخ
ان مشاغل سے رہا کرتے ہو جن میں مصروف
اور اگر ہو بھی تو تاریخ ہی ناول کی طرح
خیر- تاریخ بتاتی ہی کہ کیونکر اسلام
سارے اہلِ عرب آزاد تھے مطلق آرام

ہم سے بن آتی کما حقہ شرطِ خدمت
دیکھنا دیکھا ہی ہم سا بھی کوئی بدقسمت
فیضِ قدرت نے اسے دی ہی بہت سی برکت
اس کی اصلاح تھی وابستہ انگریزیت
عذر کوئی مگر اعمال کی اپنی شامت
دیکھتے سنتے ہو- کاہی کی ہی تم میں قلت
ہاں مگر اٹھ گئی ہی قوم میں سے قومیت
جسمِ قومی میں نہیں نام کو حسِ حرکت
قوم کے حق میں ابھی سے ہی یہ نفسانیت
زید عشرت میں ہی اور بکر ہی محوِ عشرت
یہ کہ افراد میں اور قوم میں کیا ہی نسبت
لکھ گئے ہیں جیسے سعدی علیہ الرحمت
جن کے آپس میں ہی اس طرح کا رابطِ الفت
سارے ہو جاتے ہیں بے چین زراہِ شفقت
اس سے تائید نہیں تفتیش سبب کی حاجت
تاکہ ثابت ہو مری بات کی تم کو صحت
عقل کے حق میں یہ کہنا ہی دلیلِ خفت
مجکو معلوم ہی تم کو نہیں مطلق فرصت
نہ تعشق کے مزے اور نہ عیشی کی لذت
متمکن ہوا اطراف میں بایں عجلت
جس زمانے میں کہ مبعوث ہوئے آنحضرت

حکم راں اُن پہ نہ تھا غیر کوئی غیر شیوخ
ملک میں اُن کے نہ تھی ایسی فراوانیِ آب
وہ جو کہتے ہیں کہ خالی سے ہے بیگار بھلی
بطنِ مادر سے وہ ہوتے تھے سپاہی پیدا
توڑ دیتے بے خبری میں کوئی تنکا جیسے
مول لیتے تھے لڑائی تو لڑائی کے لیے
ایک ہابیل تھا اور دوسرا بھائی قابیل
دوسرے ملک کے لینے کا وہ کیا کرتے تھے قصد
آیا اسلام تو جس جس نے کیا اس کو قبول
باپ مارے کا تھا کر بیر تو ایسا بھولا
جمع ہو کر جو چلے فتحِ ممالک کے لیے
مسجدوں میں جو اذاں دیتے تھے وہ بھر نماز
ہو گئے امن کے آتے ہی وہ رہرو سب زو
بات کی بات میں ان تنکوں نے جھاڑو بن کر
جھاڑ دو اُن وقتوں کا مانند کو رکہ ان بالوں سے
اب وہ وقت نہ وہ لوگ نہ وہ رسم و رواج
جن کے ہاتھوں میں حکومت ہے مبارک اُنکو
بس غنیمت ہے کہ اتر ان سے پیچھے نہ رہیں
یہ بھی موقوف ہے تعلیم پہ اعلی التعلیم
قوم نادار ہے اور جنس گراں ہے تعلیم

نہ وہ منقادِ حکومت نہ مطیعِ ملت
کہ ہو بارانی کے سبب کھیتی کی اُس کو کثرت
مشغلے اُن کے تھے بس قتل و نہب و غارت
اُن کی گھٹی میں تھی جاں بازی خلقی جرأت
اُن کے ہاں جان کی اتنی بھی نہیں تھی وقعت
نہ لحاظ اِن کو قرابت کا نہ پاسِ قربت
بھائی کے خون میں بھائی کے تھے کپڑے لت پت
خانہ جنگی میں فنا ہوتی تھی ساری قوت
اُس کی تعلیم نے دی سب کی بدل ماہیت
کہ عداوت کی جگہ ہو گئی راسخ خلت
تو تھر بن تھیں کہ گریں چھتے سے اپنی ارخلت
بج وہ تھی لمن الملک کی جیتی نوبت
برسی آکاش سے اور دھرتی سے اُبلی دولت
شہر ہی رومیوں اور فارسیوں کی سطوت
تازہ ہوتا ہے خیالِ غم و رنج و حسرت
نہ وہ مذہب نہ وہ دین اور نہ وہ انسانیت
ہم اگر نام بھی لیں اس کا تو ہے لغویت
دوڑیں۔ گر نہیں تقدیر میں اپنی سبقت
بی اے اور ایم اے ہی کی تو ہے بابت حاجت
کاش سمجھیں وہ جنھیں دی ہے خدا نے ثروت

شوق دل میں ہے مگر فلس کا مقدور نہیں ۔۔۔ بے تجربے کام نہ دے ذہن کی خالی جودت
کتنے ہیں جوہر قابل کہ جلا پانے سے ۔۔۔ جسم قومی کے ہوں سرمایۂ زیب و زینت
کر رکھا ہے انھیں افلاس نے بدتر ز خزف ۔۔۔ اب وہ بدرنگ ہیں یا بدروپ ہیں اور بے ہیئت
اک وظیفہ تمھیں بتلاتا ہوں از بہر ثواب ۔۔۔ جس کی ظاہر ہوا ہے آن میں مقبولیت

من و تو چھوڑو وظائف سے کرو ان کی مدد
یہی اک بات مجھے کہنی تھی۔ اچھا رخصت

مندرجۂ ذیل نظم ایک طولانی مگر ضروری اور مفید تمہید کے بعد مولانا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے انیسویں اجلاس ۱۹۰۴ء میں پڑھی تھی۔ تمہید یہ ہے:

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل
کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہے آزاد کا

سامعین میں چند صاحب ایسے بھی ضرور ہوں گے جنھوں نے اس پلیٹ فارم پر مجھے شاعری کی مذمت کرتے سنا ہوگا۔ میں شاعری کی مذمت نہ الناس اعداء لما جہلوا کی وجہ سے کرتا ہوں۔ ایسا کروں تو میری مثال اُس لومڑی کی سی ہو جو انگور کے خوشوں پر دست رس نہ پا کر یہ کہتی ہوئی گزر گئی تھی کہ انگور کھٹے ہیں۔ نہیں میں شاعری کی مذمت اس وجہ سے کرتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے باستثنائے بعض قرآن پاک میں شاعروں کی مذمت فرمائی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مدتوں تک میری یہ رائے رہی کہ مروجہ شاعری قوم کے اخلاق قوم کے مذاق کو خراب کرنے والی ہے مگر اب ۹

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

میرا خیال یہ ہے کہ پہلے قومی مذاق بگڑا ہے اور مذاق بگڑا ہے مذہبی لاپروائی سے جو ایک

طرح کی آزادی ہے اور مذہبی لاپروائی پیدا ہوئی ہے اُس غفلت سے جو مسلمانوں نے قرآن کی طرف سے کی ہے اور کر رہے ہیں۔ شاعروں کا مقصود اصلی یہ ہوتا ہے کہ اُن کا کلام عام پسند ہو۔ جیسے عام تھے جیسے اُن کے مذاق تھے۔ شاعروں نے عام کے خوش کرنے کو ویسے ہی سانچے میں اپنے کلام کو ڈھالا۔ یوں شاعری کی مٹی پلید ہوئی۔ اسی مذاق کی گندگی نے خواجہ حافظ شیراز جیسے پاک نفس صوفی کو مجبور کیا کہ اُنھوں نے شراب اور ساقی کے پیرائے میں تصوف کے مسائل بیان کیے۔ عوام شراب و ساقی کے نام پر لٹو ہوئے۔ اور خواص نے شراب سے عشق الٰہی مراد لی اور ساقی سے شیخ و مرشد۔ خواص خواجہ حافظ کے کلام کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُنھوں نے خواجہ کو لسان الغیب کا خطاب دیا۔ کہتے ہیں کہ عالمگیر جیسا متشرع ہمہ وقت دیوانِ حافظ پاس رکھتا اور بات بات میں استخارے کے طور پر اُس سے تفاول کرتا۔ میں نے بچشم خود ایک صاحب دل کے پاس قرآن اور مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کو ایک جلد میں بندھا ہوا دیکھا ہے اور رند لاابالی کو بدمستی کی حالت میں۔

مطرب خوش نوا بگو تازہ بتازہ نو بہ نو

گاتے بھی سنا ہے۔ اُردو و فارسی کا لٹریچر پیٹ بھر کر بگڑا ہوا تو ہے مگر اُس میں بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں کہ خواجہ حافظ کے اشعار کی طرح دو پہلو رکھتے ہیں ایک تہذیب کا دوسرا رندی کا۔ اب کے جو میں انجمن کے لکچر کے لیئے خیالات جمع کرنے کو ہوا تو خود بخود ذوق کا یہ شعر خیال پر چڑھ گیا ؂

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل
کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہو آزاد کا

اِس میں تو بُرائی کا کوئی پہلو نہیں۔ میں نے اسی کو اپنے لکچر کا سبجکٹ بنایا اور یہ

شعر مجکو کچھ ایسا بھایا کہ میں آپ ہی آپ اس کو بار بار پڑھتا رہا۔ اور اسی کے وزن
پر خود کبھی کچھ شعر کہے تو پہلے میں اپنے شعر پڑھدوں پھر آزادی پر کچھ کہوں میں نے
ان اشعار کے علاوہ پہلے بھی اپنے لکچروں کے ساتھ نظمیں پڑھی ہیں کبھی شروع
میں کبھی آخر میں۔ لیکن میں نے جب جب نظم کہی ہے بادلِ ناخواستہ فرمائشی
شاعری کی ہے اور میں اتنے کو بھی پسند نہیں کرتا۔ مگر لوگوں کی فرمائش سے مجبور
ہو جاتا ہوں۔ قرآنِ پاک میں ایک جگہ ایک امر و نہی عنہ کے بعد فرمایا ہے [۵۱] تلک حدود
اللہ فلا تقربوھا۔ یعنی حلال و حرام میں ایک حد قرار دے کر فرمایا کہ حد سے تجاوز کرنا کیسا
حد کے پاس جانے کی بھی جرأت نہ کرو۔ اور اسی بنا پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بہ تقاضائے
احتیاط مباحات میں بھی توسع سے پرہیز کرتے تھے۔ پس اگرچہ مولوی الطاف حسین
حالی و امثالہ کی قومی نظموں کے پڑھنے میں کسی طرح کی قباحت نہیں ..... مگر شیوۂ
احتیاط یہی ہے کہ نوجوان طالب العلموں کی طبائع میں نظم کا مذاق ہی پیدا نہ ہونے دیا جائے
اور ان کی پوری توجہ علم نافع کے اکتساب میں مشغول رکھی جائے۔ میں نے علی گڈھ کالج
اور انجمن حمایت اسلام کے طلبہ کو کبھی کبھی ہم لوگوں کے دیکھا دیکھی نظم کہتے دیکھا ہے
اور ان کی اس ادا کو پسند نہیں کیا مگر [۵۲] لم تقولون ما لا تفعلون کی وجہ سے طلبہ جیسا چاہیے
متاثر نہیں ہوئے۔ میری اصل رائے تو یہ ہے لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ چور چوری سے
جاتا ہے تو بھی ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ نظم کہکر لایا ہوں تو بے سنائے نہیں رہا جاتا
وہ طرح کا شعر تو سن چکے ہو اس پر میرے اشعار یہ ہیں۔

(۳۷)

ممبران انجمن میں ذکر کیا فرہاد کا — اُس میں اِن میں فرق ہے شاگرد اور استاد کا

۵۱۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں تو ان کے پاس بھی نہ پھٹکنا ۱۲

۵۲۔ کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کرکے نہیں دکھاتے ۱۲

جلبِ چنندہ کم نہیں لانے سے جوئے شیر کے — بے تکلف ہی تفاوت سنگ اور فولاد کا

یہ دونوں شعر ظاہرا بے مناسبت سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب اِن کی تھوڑی سی تشریح کروں تو بے مناسبتی دور نہیں تو کم ضرور ہو جائے گی۔ اول سمجھنا چاہیے کہ عشق کیا چیز ہے۔ وہ حد سے بڑھی ہوئی محبت کا نام ہے عشق۔ مطلق محبت تو انسان کے خمیر میں داخل ہے یہاں تک کہ انسان کی وجہ تسمیہ یہی بیان کی جاتی ہے کہ لفظ انسان نکلا ہے اُنس سے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ کوئی فردِ بشر اُنس و محبت سے خالی نہیں۔ جس کو جس چیز کا جس بات کا شوق ہو اگر وہ شوق حبک الشئ یعمی و یصم (کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بہرا کر دیتی ہے) کے درجے کو پہنچ گیا ہے۔ تو اسی کو عشق کہیں گے۔ یہ تو لغت کی رو سے ہوا۔ مگر عرف میں عشق ایسی محبت پر بولا جاتا ہے جو آدمی کو اپنے ہم جنس کے ساتھ ہو۔ شاعروں نے او عامی طور پر جیسی اُن کی عادت ہے اسی طرح کا میلان جانوروں میں بھی فرض کر کے پروانے کو شمع کا۔ بلبل اور بھونرے کو گُل کا۔ قمری کو سرو کا۔ گرگٹ کو آفتاب کا۔ چکور کو چاند کا عاشق قرار دیا ہے۔ نوعِ بشر میں وامق اور عذرا۔ لیلیٰ اور مجنوں۔ نل اور دمن۔ غیلان اور مَی۔ رامن اور ویس۔ سلیمان اور بلقیس۔ یوسف اور زلیخا۔ فرہاد اور شیریں کا عشق مثل زد ہے۔ میں نے فرہاد کو اس لئے خاص کیا کہ اس کی معشوقہ شیریں نے تعلیق المحال بالمحال[۵] پہاڑ میں سے جوئے شیر لانے کی فرمائش کی فرہاد نے جنونِ عشق کے جوش میں کہ العشق نوع من الجنون ممکن و محال پر تو نظر کی نہیں لگا پہاڑ کو کھودنے۔ پہاڑ سے جوئے شیر تو کیا لا سکتا تھا۔ مگر اُس نے دنیا پر اپنا سچا عشق تو ثابت کر دیا جس کا افسانہ آج تک زبان زدِ شعرا ہے۔ میں انجمن اسلام لاہور کے حال پر نظر کرتا ہوں تو ممبران انجمن کو فرہاد سے بھی بڑھا ہوا پاتا ہوں۔ کاہے میں؟ اسی جنون میں جو فرہاد کو تھا۔ ممبرانِ انجمن لفظ جنون کے استعمال کو معاف فرمائیں گے کیونکہ۔

۵؎ دشوار سے دشوار ۱۲

الاعمال بالنیات ہیں بُری نیت سے ان کے حق میں اس لفظ کا استعمال نہیں کرتا۔ ممبران انجمن اور فرہاد میں مشابہت اور مماثلت بھی ہی اور پھر ان کو فرہاد پر فضیلت بھی ہی مماثلت اور مشابہت تو عشق میں ہی۔ فرہاد شیریں کا عاشق تھا۔ ممبران انجمن قوم کے عاشق ہیں۔ فرہاد نے جوئے شیر کے لاتے میں قصدِ محال کیا تھا۔ ممبران انجمن نظر بحالاتِ زمانہ قوم کی تعلیم میں قصدِ محال کر رہے ہیں ممبران انجمن کو فرہاد پر برتری اور فضیلت اس بات میں ہی کہ فرہاد پہاڑ سے جوئے شیر لانا چاہتا تھا ممبران انجمن مفلس اور قدرشناس قوم کی جیب ول سے ابیض[١] منقوش اصفر صباح کے نکالنے کی فکر میں ہیں ؎

چاہئے زر ممبران انجمن کے واسطے
قوم مفلس یاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے

سیم و زر مفلسوں کے پاس کہاں[٢]
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

افلاس کے علاوہ احضرت الانفس الشح[٣] ؎

گرجان طلبی مضائقہ نیست
زر می طلبی سخن درین ست

اسی لحاظ سے ہمؔ نے فرہاد کوہ کن کے مقابلے میں ممبران انجمن کو فولاد شکن سمجھا کیونکہ فولاد پتھر سے بہت زیادہ سخت ہی...... پس بقاعدہ علی حسب قدر المرتاتی العزائم جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہی۔ فرہاد پر ممبران انجمن کی فضیلت ثابت۔ خدا خدا کر کے میرے شروع کے دو شعر تو ہوئے اب اور لو۔

کچھ تو ایسی ہی مصیبت آبنی ہی قوم پر
مٹ گئیں قومیں کی قومیں یہ ہی کرتوت سے
اک ثمود و عاد کیا قومِ شعیب اخوان لوطؑ
نوحؑ کی اُمت کو جب غارت کیا طوفان نے

انجمن میں آج اک ہنگامہ ہی فرہاد کا
کیا سنا تم نے نہیں قصہ ثمود و عاد کا
لشکرِ اصحاب فیل و فوج ذی الاوتاد کا
سطح پر پانی کے اک انبار تھا اجساد کا

[١] روپیہ۔ اشرفی ١٢ [٢] تھوڑا بہت بخل تو سب ہی کی طبیعت میں ہوتا ہی ١٢ [٣] ہر شخص اپنے رتبہ کے موافق قصد کرتا ہی

ڈوب کر پانی میں جب نکلے تو فی النارِ الجحیم — پر نتیجہ اُن کے حق میں ایک تھا اضداد کا
کھا کے گندم بو البشر آدم نے نقصان کر لیا — اپنا اور اولاد کا اولاد کی اولاد کا
ایک سجدے کے نہ کرنے سے ہوا شیطاں رجیم — پس نہیں اپنے گناہوں کو شمار اعداد کا
سنۃ اللہ ہی کبھی بدلی کسی کے واسطے — کچھ لحاظ اس نے کیا نمرود کا شداد کا
رافت و رحمت خدا کی عام ہے بندوں کے ساتھ — کفر اور کفران ہے اُس پر گماں بیداد کا
ہاں مگر بندے خود اوپر اپنے لاتے ہیں بلا — خونِ فاسد گویا مشتاق ہے فصاد کا
منزلِ ہستی کو ہم سب کر رہے ہیں طے مگر — مفلسی سے حال ہے واماندہ بے زاد کا
بھیک منگو اگر تمھیں چھوڑے کا یورپ ایک دن — پانکالو سوچ کر رستہ کوئی ایجاد کا
گنجِ قاروں سرزمینِ ہند میں مدفون ہے — اک اشارہ چاہیے سائنس کی امداد کا
کب سے قائم ہے جہاں اور اتنے استحکام سے — ہر بشر شاکی ہے اس کی سستیِ بنیاد کا
خضر سے کہیے کہ ڈوبی ہم مسلمانوں کی ناؤ — گمرہانِ چند نے منصب لیا ارشاد کا
نام انگریزی کے پڑھنے کا اگر لینا کوئی — مولوی دیتے تھے فتویٰ کفر کا الحاد کا
ہشتِ بعد از جنگ اب آخر پیسے بعض بعض — ٹھو چڑا جب کھو چکے ہر خانماں برباد کا
قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں آسریاں ہر شخص کی — اور یہ پڑھواتے ہیں اوپر سے سبق اوراد کا
آنکھ اندھی ہو تو شاید بن سکے تدبیر سے — چارہ ناممکن ہے دل کے کورِ مادرزاد کا
حیف ہم خوشیاں منائیں اپنے فرزندوں کے ساتھ — اور نہ خیال آئے یتیموں کے دلِ ناشاد کا
وقت از بس تنگ ہے دنیا ہے جو کچھ دے چکو — ہو نہیں سکتا تحمل وعدہ و میعاد کا
میں کہاں اور شاعری کا شغلہ بے سود محض — یہ وہ کرتا ہے جو محفل سے ہو خواہانِ داد کا
انجمن کے واسطے میں بھی ہوں خواہانِ داد کا — داد تحسیں کا نہیں داد و دہش کی داد کا

یہ جو کچھ میں نے کہا لکچر کے بعد ہوتا تو میں اس کو ردِ عمل کہتا۔ مگر لکچر سے پہلے ہی تو میں اس کو بانگی کہہ سکتا ہوں۔ اس نظم میں جن لوگوں کا ذکر ہے کہ ان پر نعوذ باللہ من غضب اللہ

خدا کا عذاب ہوا ایک نظر دیکھنے کے لئے میں نے اُن کا ایک نقشہ بنایا ہے۔ اِس نقشے میں لوگوں کے نام ہیں اُن کی نافرمانیاں ہیں اور نافرمانیوں کی سزائیں ہیں اور اِس سے غرض یہ ہے کہ گزشتگان کے حالات سے ہم لوگ عبرت پکڑیں پند پزیر ہوں اور خدا کی نافرمانی سے محترز رہیں۔

نام	نافرمانی	سزائے نافرمانی
قوم ثمود	یہ قوم بت پرست تھی اور پہاڑوں کو تراش کر بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے میں فخر کرتی تھی۔ پیغمبر صالح کی نافرمانی کی معجزے کی اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔	آسمانی چیخ سے ہلاک ہو گئی
قوم عاد	یہ بھی بت پرستی میں منہمک تھی اور بے ضرورت بڑی بڑی اونچی یادگاریں بنانے اور صنعت کے محل تعمیر کرنے میں فخر کرتی تھی۔	ہوا کے تیز و تند جھکڑ سے ہلاک ہوئی جو برابر سات رات اور آٹھ دن چلا۔
قوم شعیب	یہ لوگ مشرک تو تھے ہی ماپ تول میں بھی کمی کیا کرتے تھے اور قزاقی اور رہزنی اِن کا عام پیشہ تھا۔	زمین کی طرف سے زلزلہ آیا آسمان کی جانب سے بجلی گری سب ہلاک ہو گئے
اخوان لوط	یہ لوگ بھی بت پرست تھے اور بت پرستی کے علاوہ مرتکب فواحش بھی	آسمان سے پتھر برسے اور جبرئیل فرشتے نے اِن کی بستیوں کو اُلٹ دیا۔
اصحاب فیل	خانہ خدا کی ہتک حرمت کے ارادے سے بہت سا لشکر لے کر بیت اللہ پر چڑھائی کی۔	پرندوں نے اوپر سے کنکر پھینکے اور سب ہلاک ہو گئے

نام	نافرمانی	سزائے نافرمانی
ذی الاوتاد یعنی میخوں والا فرعون	خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کو یہاں تک تکلیف پہنچائی کہ اُن کے ہزارہا معصوم بچوں کو قتل کر ڈالا۔ اور مرد وعورتوں سے ذلیل ذلیل خدمتیں لیں	وہ اور اس کا لشکر دریا میں ڈبو دیا گیا۔
امت نوح	یہ لوگ بت پرستی کرتے اور بت پرستی کے علاوہ پیغمبر وقت کی سخت نافرمانی کرتے تھے	پانی کا طوفان آیا اور سب غرق ہو گئے۔
ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام	خدا نے منع کیا تھا کہ گیہوں کے درخت کے پاس جا کر بھی نہ پھٹکنا انھوں نے اُسے کھا لیا۔	جنت اور آسمانوں سے اُتار دئے گئے۔
شیطان	خدا نے آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا اس نے خدا کی حکم عدولی کی آدم کو سجدہ نہیں کیا۔	ملاءِ اعلیٰ سے نکال باہر کیا گیا اور ہمیشہ کے لئے جہنمی اور ملعون ہوا۔

میں نے اِس نقشے میں نمرود اور شداد کا ذکر نہیں کیا اگرچہ نظم میں یہ دونوں نام مذکور ہیں۔ نقشے میں نہیں ذکر کیا اس لئے کہ قرآن مجید میں اِن کا بالتصریح ذکر نہیں ہی لیکن مشہور یہ ہی کہ نمرود اور اُس کی قوم ستارہ پرست تھی۔ اور یہی وہ شخص ہی جس نے ابراہیم علیہ السّلام سے خدا کے بارے میں جھگڑا کیا۔ ابراہیم علیہ السّلام نے دلائل سے ایسا قائل کیا اور اُسے کچھ جواب دیتے بن نہ پڑا۔ کہتے ہیں کہ خدا کے حکم سے مچھر مغرور نمرود کے دماغ میں گھسا اور یہی اُس کی ہلاکت کا سبب ہوا۔...... رہا شداد اُس کی نسبت یہ روایت مشہور ہی کہ اُس نے دعویٰ خدائی کیا اور سونے چاندی جواہرات کا ایک شہر بنوایا جس کا نام بہشت رکھا...... چونکہ نافرمانی بھی ایک طرح کی آزادی ہی اِن لوگوں کے حالات کا خیال کرتے کرتے ذہن خود بخود اُس شعر کی طرف منتقل ہوا جو میں نے اسٹیج پر کھڑے ہوتے ہی پڑھا تھا کہ

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل
کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہے آزاد کا

مندرجہ ذیل نظم مولانا نے دسمبر ۱۸۹۹ء کو ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں بمقام کلکتہ پڑھی تھی۔

(۳۸)

عزیزو! سمجھتے ہو اسلام کیا ہے؟
وہ شے جس کا اسلام ہے نام کیا ہے؟

جو اس رمزِ معنی کو سمجھیں وہ کم ہیں
و لیکن بحمد اللہ ایک اُنہیں ہم ہیں

اِدھر آؤ تم کو مسلماں بنائیں
تمھیں دین و مذہب کی غایت بتائیں

یہ غایت ہے یک سو کنِ حق و باطل
میانِ صحیح و غلط حدِ فاصل

یہ غایت ہے پہچان خالی بھرے کی
یہ غایت کسوٹی ہے کھوٹے کھرے کی

خدا نے جو یہ کارخانہ بنایا
اور آدم کو اِس سرزمیں پر بسایا

اُسے ساری مخلوق پر برتری دی
اور افواجِ عالم کی کل افسری دی

قوی تر ہیں مخلوق کی کتنی قسمیں
مگر اِس کی سی عقل و دانش ہے کس میں

بظاہر یہ کمزور ہے ناتواں ہے
ولے اِس کا منقاد سارا جہاں ہے

ازل میں جو علمی شرافت ملی ہے
اُسی پر سے اِس کو خلافت ملی ہے

طلب ہو اور اُس پر سے توفیق رہبر
تو ہر ایک خرابے میں ہیں گنج مضمر

الٰہی ہمیں جستجو اور طلب دے
خلافت کے جتنے لوازم ہیں سب دے

ہزاروں برس عمر دنیا کی آئی
کسی نے نہ کچھ تھاہ قدرت کی پائی

ضرورت کے کل ساز و ساماں ہیں اِس میں
ہم اُترے ہوئے مثلِ مہماں ہیں اِس میں

بجز اپنے کس کی شکایت کریں ہم
خدا میزباں اور بھوکوں مریں ہم

بہم اُس نے انواعِ نعمت کیے ہیں
یہاں بد نصیبی نے منہ سی دیے ہیں

ادھر سے کلوا و اشربوا کی صلا ہے
کچھ اس طرح کے ہضم بگڑے ہوئے ہیں
غذا جو نقائص سے پاک اور بری ہے
وہ چیزیں ہمیں جن کی ہے سخت حاجت
ہوا سانس لینے کو پینے کو پانی
تجمل تکلف کے اسباب سارے
سر میز اقسام کھانے لگائے
اگر کوئی ہے دال دلیے پہ قانع
مگر اس نے نعمت کو نعمت نہ جانا
رہا مبتذل اور وقار اپنا کھویا
نہ کچھ انتہا پائی عقل رسا نے
مگر آدمی زاد تعلیم پا کر
تو وہ زندگی میں مزے کر رہا ہے
سلیمان ہے اور ہوا اس کے بس میں
وہ خاصیت عرض و جوہر سے واقف
خلافت اُسے وہ خلافت کو شایاں
جہاں میں نہیں ذرہ بے کار کوئی
اُسے جس غرض سے بنایا ہے اس نے
زمیں۔ آسماں۔ چاند۔ سورج۔ ستارے
ہر اک کا طریق اطاعت یہی ہے
ہمارے بنانے سے مقصود کیا تھا

مگر اپنی قسمت میں فاقہ لکھا ہے
کہ فاقے نہیں ہیں تو تخمے ہوئے ہیں
ہر ایک کام میں اس کی بخشش وری ہے
مہیا و موجود ہیں بے مشقت
مگر ہم نے کچھ قدر ان کی نہ جانی
کسی کو نہیں ملتے بے منہ لیارے
اجازت ہوئی جس کو جو بھائے کھائے
وہ جانے۔ نہیں میزباں اس کا مانع
نہ منت اٹھائی نہ احسان مانا
غرض اس نے نام خلافت ڈبویا
خدا ہی خود اپنے خزانوں کو جانے
پہونچتا ہے ان تک سرنگیں لگا کر
زمانے کو جو وہ سکھے کر رہا ہے
عناصر کے جنات اس کے قفس میں
ہے فی الجملہ اسرار نیچر سے واقف
قیافے سے آثار دولت نمایاں
غلط۔ گر کرے اس سے انکار کوئی
اُسے اس کا رستہ دکھایا ہے اس نے
ملائک ہمہ مصروف خدمت ہیں سارے
نہیں بلکہ تسبیح و طاعت یہی ہے
وہ انکار شیطان مردود کیا تھا

ہماری خلافت کو اُس نے نہ مانا
یہ گستاخی اُس کی خدا کو نہ بھائی
خدا کے ارادے میں خارج ہوا وہ
خدا کی مشیت کی تکمیل کرنا
بہر حال ہندوں کو شایاں یہی ہے
جب اگلوں کا طرزِ عمل دیکھتے ہیں
بتاؤ تو کس کس سے ہیٹے رہے
مناتے اگر خیر ہنڈیا کی اپنی
جدا گر ہر اک اپنی مسجد بناتے
کیا جو کچھ اُس وقت کرنا تھا ممکن
رُخِ خوب سے اپنے پردہ اٹھایا
قفس ہے تو ہو شکر ہے پر کھُلے ہیں
خلافت کا پوچھو تو اب گر ملا ہے
مگر کہنے سننے سکھانے سے کیا ہو
نمونے یہ افراط پیشِ نظر ہیں
نہ جانیں حدیث اور نہ قرآن سمجھیں
شرابِ تعصب ملی ان کو سستی
نکالا نیا دین و دنیا کا دشمن
اگر تم کو دنیا میں رہنا ہے یارو
کہ تم کیا تھے اور کیا سے کیا ہو گئے ہو
کوئی کب تلک یہ مصیبت سہے گا

ہمیں اِس حکومت کے قابل نہ جانا
اکارت گئی اُس کی ساری کمائی
گروہِ ملائک سے خارج ہوا وہ
اور اِس میں جہاں تک ہو تعجیل کرنا
ہمارا تو بس دین و ایماں یہی ہے
عقائد میں اپنے خلل دیکھتے ہیں
اگر پاؤں پھیلا کے لیٹے رہے وہ
نہ ہنڈیا ہی رہتی نہ ڈوئی نہ چھپنی
دوا کو مسلمان ڈھونڈھے نہ پاتے
مگر اب نہ راتیں رہیں وہ نہ وہ دن
ہر اک چیز میں علم نے دخل پایا
ہوا ایک در بند سو در کھُلے ہیں
بہت غوطے مارے ہیں تب دُر ملا ہے
نہ جب تک کہ توفیقِ حق رہنما ہو
مگر چونکہ دل کور ہیں بے بصر ہیں
ہوی النفس کو عین ایمان سمجھیں
بہت پی گئے لگ گئی فاقہ مستی
لڑیں دونوں جس طرح سوکن سے سوکن
تو اپنی جگہ دل میں سوچو بچارو
فلک پر سے تحت الثریٰ ہو گئے ہو
مگر مجھ سے دریا میں لڑ کر رہے گا

بھلا یہ بھی جینے کی کوئی ادا ہے
کہ محتاج ہے کوئی - کوئی گدا ہے

کسی کو ہے مقدور اگر شاذ و نادر
نہیں ضبط کرنے پہ خواہش کے قادر

وہ مصروف ہے عیش و تن پروری میں
پڑا چین کرتا ہے بارہ دری میں

اُسے قوم کے حال کی کیا خبر ہو
کہ دو دو بجے دن کے اُس کی سحر ہو

غرض اُس کو اسبابِ صارف بہت ہیں
کہ خود اُس کے اپنے مصارف بہت ہیں

بلا سے گرانی ہے یا خشک سالی
کنھیا نے برسات خاصی منالی

ہر ایک سمت اور جا بجا جھمگڑے ہیں
وہ اجابنوں پہ ریشم کے جھولے پڑے ہیں

حسینوں کی چاروں طرف ٹولیاں ہیں
برابر کی عمریں ہیں ہمجولیاں ہیں

ہنسی ہے کہیں اور کہیں قہقہے ہیں
عنادل ہیں اور باغ میں چہچہے ہیں

ہے آہوئے رم خوردہ ہر رانڈ گویا
یہ چھوٹا ہوا اُن میں اک سانڈ گویا

جہاں دولت اس طرح کی بدبلا ہے
تو ہونے سے اُس کا نہ ہونا بھلا ہے

وہ اُمت ہوں جس کے امیر اکثر ایسے
بھلا اُس کی روداد بہتر ہو کیسے

اگر بہتری ہو تو تعلیم سے ہو
سو تعلیم گنجِ زر و سیم سے ہو

مگر گنج آئے تو آئے کہاں سے
الٰہی برس جائے مَن آسماں سے

پر اِس عرض کی استجابت نہیں ہے
کہ اللہ کی ایسی عادت نہیں ہے

مجھے اس جگہ اک مثل یاد آئی
کہ کانوں میں آواز فریاد آئی

مسافر کوئی اترا مہماں سرا میں
بچھائی الگ چارپائی ہوا میں

نہ سونے دیا رات بھر کھٹملوں نے
رکھا مضطرب صبح تک کروٹوں نے

بہت دق ہوا اور دعا کی خدا سے
کسی طرح مجھکو بچا اس بلا سے

ولیکن تھے کھٹمل کئی دن کے بھوکے
ستانے سے اور کاٹنے سے نہ چوکے

مسافر سے جب بات کچھ بن نہ آئی
لگا کہنے بس دیکھی تیری خدائی

کوئی ہاتفِ غیب فرطِ غضب سے
کہ ناشکر بیہودہ کیا بک رہا ہے
تجھے وہ رفعِ موذی کی قدرت ہے حاصل
یہ دار العمل جائے حیرت نہیں ہے
یہ دستور از روزِ اول رہا ہے
نیابت سے ہوگا نہ پورش سے ہوگا
تہیدستی اور مفلسی کے بہانے
کہیں سے تو کھاتے ہو پیتے ہو آخر
اگر ہاتھ اٹھا کر ہمیں دو گے پیا
جو کچھ ہم کو مل جائے دستِ کرم سے
تو ہم تنفر تعصب کو چھوڑو
علی گڑھ کا مشہور و ممتاز کالج
بتائیں کہ کیوں کر تھا آغاز اُس کا
ہمیں تو بہت شرم آتی ہے کہتے
خدا جانے سچ ہے یا زور ہے یہ
کہ چھ سو برس تک کسی خانداں کے
بزرگوں پہ نازاں ہو کیا سب کے سب تم
گزرگاہ دنیا تماشے کی جا ہے
نہیں مستمر کوئی حالت یہاں کی
اگر آج ہے اک جگہ بزمِ شادی
حکومت ملی سلطنت گھر میں آئی

مخاطب ہوا آگے اُس بے ادب سے
عبث آسماں کی طرف تک رہا ہے
کر اپنی حفاظت نہ ہو اتنا کاہل
مگر تجھکو کچھ شرم و غیرت نہیں ہے
یوں ہی کاروبارِ جہاں چل رہا ہے
جو کچھ ہوگا اپنی ہی کوشش سے ہوگا
جسے کچھ بھی ہے عقل ہرگز نہ مانے
بھلی یا بری طرح جیتے ہو آخر
اُسے عار سمجھے کوئی ایسا تیسا
نہیں بحث اپنے تئیں بیش و کم سے
یہ بت ہیں مسلمان ہو ان کو توڑو
وہ امراضِ قومی کا حسکی معالج
ہوا جمع ساماں خدا سازائش کا
ولیکن نہیں بنتی خاموش رہتے
کتابوں میں البتہ مسطور ہے یہ
مسلمان حاکم تھے ہندوستاں کے
سنا کیا نہ ہوگا لکم ما کسبتم
اگر ہست کو نیست کہیے بجا ہے
ہے پادر ہوا کل عمارت جہاں کی
تو کل ہے وہیں ماتم نامراد ہے
نہ تھی ظرفِ عالی میں اتنی سمائی

نہ سوچے توسط کی حد سے گزر کر
ہٹی یورپ گوشہ طالع رہنموں کی
سمندر کے اندر سے رستہ نکالا
گئی سلطنت چھن گئی گو توالی
حکومت کے جانے کا اک کوہ غم ہے
ہمیں مرنا اس حال میں کیا بُرا ہے
مثل ہے کہ کھوٹا ہو اپنا ہی پیسا
کچھ ایسے ردی تھے خیالات سب کے
نہ گنجائش دخل چون و چرا ہے
زوالِ حکومت بظاہر سزا تھی
ہمیں ناتواں اور ضعیف اس نے پایا
حکومت بھی اک طرح کا دردِ سر ہے
تم اس درد کو تاجداروں سے پوچھو
حکومت تھی اک اور ہم کو محوّل
حکومت ہے سچی حکومت قلم کی
خدائی خزانوں کی کنجی قلم ہے
قلم کا قلم ہے قدامت سے جاری
اگر اس حکومت سے ہم کام لیتے
گئی سلطنت اس کے جانے کا غم کیا
مگر علم کی ہم نے طاقت نہ جانی
گو استاد منثور و منظوم ہیں ہم

بہت کھا گئے مر گئے پیٹ بھر کر
لگائے تھے سب تاک حیدریوں کی
تو پھر ٹک تھا جیسے منہ کا نوالا
وہی پھر سے گھر پا وہی پھر سے جالی
اُسے روئیں گے جب تلک دم میں دم ہے
ولے ساتھ مرتے کے کوئی مرا ہے
تو غیروں پہ ناحق کا الزام کیا
کہ ہم خود بخود مٹ گئے ہوتے کب کے
خدا کا ہمارا عجب ماجرا ہے
مگر اس کی رحمت کی یہ اک ادا تھی
سروں پر سے بار حکومت اٹھایا
بشرطیکہ انجام کا دل میں ڈر ہے
محبت کو ہم دل فگاروں سے پوچھو
جسے ڈال رکھا تھا ہم نے معطل
نہ بندوق و سیف و سنان و علم کی
کہ جو حرف لکھتا ہے وہ اک رقم ہے
اسی کی حکومت کو ہے پائیداری
تو شاہنشہی مفت بے دام لیتے
نہیں پاس کاغذ دوات اور قلم کیا ہم
نہ جانی لیاقت لیاقت نہ جانی
ولے علم نافع سے محروم ہیں ہم

کھلا اہل یورپ پہ یہ راز پہلے
بتاؤ تھے کس کے یہ انداز پہلے

غرض ملک میں آخر انگریز آئے
بزور لیاقت جلوریز آئے

پھر آئے تو ہر طرح سے غیر تھے ہی
علاوہ بریں مذہبی بیر تھے ہی

خدا نے تو وہ اک جگہ لا بسائے
مگر ایک سے ایک ملنے نہ پائے

اگر ان سے شیر و شکر ہو کے رہتے
تو کیوں آج کو یہ تکالیف سہتے

ہنر سیکھتے خوب دولت کماتے
مزے کرتے گھر بیٹھے بغلیں بجاتے

مسلمان اوہام میں مبتلا تھے
رہ و رسم دنیا سے ناآشنا تھے

تعصب کی گہری گھٹا چھا رہی تھی
تباہی بڑی سر پہ منڈلا رہی تھی

کہ دریائے رحمت کو پھر جوش آیا
ہمیں میں سے اک شخص کو ہوش آیا

تو دیکھا کہ بیٹا ہے یا کوئی باوا
ہے بگڑا ہوا سارا آوے کا آوا

نہ پہلے ہی ہشیار تھے اور نہ اب ہیں
شراب تغافل سے بدمست سب ہیں

جگر جل گیا دل میں اک درد اٹھا
کمر باندھ کر بادم سرد اٹھا

علی گڑھ میں آخر کو کالج بنایا
سماجت سے روٹھے ہوؤں کو منایا

بہت ڈوبتوں کو لگایا سہارا
بدیر آیا افسوس جلدی سدھارا

ہو سید پہ رحمت خدا کی
کہ اسلام کی شرط خدمت ادا کی

بہت کچھ ہوا پر ضرورت سے کم ہے
اسی کا تو سید کے چیلوں کو غم ہے

ہے ہر ایک کے آگے دست گدائی
یہاں تک کہ نوبت تمھاری بھی آئی

اگر تم تک آکر نہ ہو کام پورا
ہو دنیا میں اسلام بدنام پورا

یہ پودا ابھی اس کا نشو و نما ہے
اسے آبیاری کی حاجت سوا ہے

بس اب کہنے سننے کا قصہ چکاؤ
جو کچھ ہو سکے ہم کو دو اور دلاؤ

ناظرین نے فسانہ مبتلا پڑھا ہوگا۔ تعدد ازواج کے چکر میں مبتلا کی جیسی مٹی خراب ہوئی وہ آپ کو معلوم ہے۔ مندرجہ ذیل مسدس مبتلا کے کثرت ازواج کا ایک صحیح فوٹو ہے۔ نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک مرثیہ ہے مولوی بشیرالدین صاحب خلف مصنف ممدوح نے بڑا احسان کیا کہ فسانہ مبتلا کے سوا اس کو ایک رسالے کی صورت میں اتمام حجت کے نام سے چھپوا دیا وہ یہ ہے۔

مسدس

(۳۹)

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لیجائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکاں بناؤ کہ بنکر گرا نہ ہو پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو حادث نہ ہو تو مدخل چون و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

اعمال نیک ہیں تو زمرد کے ہیں قصور خدمت کو لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
ہر طرح کا ہے عیش تو ہر طرح کا سرور یعنی خلاصہ یہ ہے کہ راضی ہوئے حضور
خوشنودی خدا ہی عبادت کا دام ہے
جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی عاقبت خراب ایذا انہیں طرح طرح کی اقسام سے عذاب
اور سب سے بڑھ کے خالقِ کونین کا عتاب گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے جواب
حق کو جو ناپسند ہو تف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

توفیق کارِ نیک ہمیں اے کریم دے دل میں صلاح دے ہمیں طبعِ سلیم دے
شوقِ سلوکِ جادۂ مستقیم دے ایمان درمیانۂ امید و بیم دے
ہم کو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے
تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے

اٹھ جائے دل کی آنکھ سے ابصار کا حجاب دنیا دکھائی دینے لگے نقشِ سطحِ آب
ذرے میں رونما ہو حقیقت کا آفتاب لاریب فیہ[۹۱] ہو خبر ذلک الکتاب
کھل جائے اصل راز حیات و ممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا

دل لوثِ حبِ دولتِ دنیا سے پاک ہو دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو
لالچ ہو فائدے کا نہ نقصاں کا باک ہو دیں سے شغف[۹۲] ہو دین میں ہی انہماک[۹۳] ہو
فرقِ نیاز فرشِ زمیں پر پڑا ہوا
ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پر گڑا ہوا

ہر دم خیال موت کا پیشِ نظر رہے جب تک جیے جیے جب اجل آئی مر رہے
رہ رو ہمیشہ چاہیے باندھے کمر رہے دنیا وطن نہیں ہے کہ آئے بسر رہے
آئے ہیں ہم جہاں میں تو جانا ضرور ہے
سارا ہی قافلہ سرِ راہ مرور ہے

۹۱ یعنی قرآن میں جو کچھ ہے اس میں شک و شبہ نہیں ۱۲ ۹۲ شیفتگی ۱۲ ۹۳ مصروفیت ۱۲

پھر بعد مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں — یہ وہ خطر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اس کا بھی ڈر نہیں — عقلِ معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں

ربّ العباد نعمتِ فکرِ معاد دے
فکرِ معاد دے ہمیں ذکرِ معاد دے

کیا جانبِ خدا سے ہدایت ہمیں نہیں — یا سوچنے کو عقل و درایت ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں — پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں

ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انبیاء سے

غفلت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں — ہوا رہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں
اللہ رے دلیریاں بل بے جسارتیں — دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں

غفلت کا کر علاج کہ اصل مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو — جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
بھائی کی پیٹھ پیچھے کبھی ذکر بد نہ ہو — انساں مشارکِ صفتِ دام و دد نہ ہو

غفلت سے اس جہان میں سارا فساد ہے
غفلت کو آ دبا رہنا ہمیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ — مت مستمندِ زندگی مستعار رہ
دنیا کا کار و بار کر اور دیندار رہ — امیدوارِ رحمتِ پروردگار رہ

۵۱ - اس میں اشارہ ہے طرف کرمنا بنی آدم اور بعثت نبی صلعم اور نزول قرآن مجید کے ۱۲ ۵۲ عقل و فہم ۱۲ ۵۳ آگاہی اور بیدار مغزی ۱۲
۵۴ جسارت بالفتح دلیری ۱۲ ۵۵ خسارہ بمعنی زیان و نقصان ۱۲ ۵۶ اس میں اشارہ ہے طرف حدیث۔ کُن فی الدُّنیا
کانّک غریبٌ او عابرُ سبیلٍ و عُدّ نفسک فی اھل القبور رواہ البخاری کے ۱۲

کس نے کہا ہی تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسول علیہ السلام کا | اصحاب کا ائمہ عالی مقام کا
سرکردہ[۵۱] ہائے امت خیر الانام کا | سکہ بٹھا گئے جو محمد کے نام کا

ان میں سے ایک بھی کبھی راہب[۵۲] ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل | گرہستو گھروں میں دیکھو تو ننانوے ذلیل
روٹی کی با ہزار مشقت ہوئی سبیل | کپڑے کے واسطے وہی ستار ہی کفیل

گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گذر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال | افلاس ہی مقدمۂ قہر ذی الجلال
افلاس کر ہی دیتا ہی انساں کو پائمال | ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال

مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج و دل غنی | سمجھا کہ یہ جہاں ہی جہانِ گزشتنی
دو دن کی زندگی کے لئے اتنی سرزنی | اس کو نہ دوستی ہی کسی سے نہ دشمنی

ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہی
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہی

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہی ہست سے | تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے

---

۵۱ سردار ۱۲ ۵۲ نصاری میں جو لوگ ہنود و جوگیوں سنیاسیوں کی طرح ترک دنیا کرتے تھے اُن کو راہب کہتے تھے اس طرح کی ترک دنیا کی اسلام میں سخت ممانعت ہی لا رہبانیة فی الاسلام

کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے
کوڑی تو لے او دہار کوئی فاقہ مست سے

کیا اُس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں جیل سے بھی ملا ہی کسی کو ماس

گر مجھ سے پوچھتا ہی حقیقت میں ہمنشیں
ایصال نفع ہی مرے نزدیک اصل دیں
پر چاہئے ہی اس کے لئے نقد آستیں
خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں

دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہی
دنیا نہیں تو دعوی دیں مکر و زور ہی

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو
اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار[۵۱] و بذل[۵۲] وجود محقق کہاں سے ہو
مصدر ہی جب نہیں ہی تو مشتق کہاں سے ہو

دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا
میں اُس کے مُنہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ممکن نہیں ہی دین میں دنیا نہ ہو دخیل
ایسا خیال کر نہیں سکتا کوئی عقیل
پروردگار جس کا نہیں ہی کوئی عدیل
کیوں چاہنے لگا کہ مسلمان رہیں ذلیل

عزت ہی سب خدا کی خدا کے رسول کی
پھر اُس کی جس نے دعوت ایمان قبول کی

اس واسطے جو معشر خیر القرون[۵۳] تھے
اور کلہم عمارت دیں کے ستون تھے
امت کو کالنجوم[۵۴] سبھی رہنمون تھے
اور مرجع ضمیر ہُم المہتدون[۵۵] تھے

---

۵۱ دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا ۱۲ ۵۲ خرچ کرنا ۱۲ ۵۳ اِس حدیث میں خیر القرون قرنی کی طرف اشارہ ہی معشر یعنی گروہ پس معشر خیر القرون سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی مراد ہیں ۱۲ ۵۴ یہ مضمون اُس حدیث مشہور کا ہی اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم ۱۲ ۵۵ وہی لوگ بر سر ہدایت ہیں یعنی ہم المہتدون کی ضمیر کا مرجع وہی لوگ تھے ۱۲

دنیا میں رہ کے دین کا برتنا سکھا گئے
دونوں کو جمع کرنے کا رستہ دکھا گئے

راوی نے یوں لکھا ہی جنابِ عمرؓ کا حال — جن روزوں آپ امیر تھے باہیبت و جلال
اپنے ہی دست خاص سے پاتھا گئے سفال[۵۱] — تاریخ میں دکھائیے ایسی کوئی مثال

شاگرد وہ تھے نبیؐ کے پیمبر کے تھے جلیس
دنیا کو جانتے تھے پرِ پشہ خسیس

یسران کا تھا فراغ عبادت کے واسطے — کی سلطنت فلاحِ رعیت کے واسطے
عزت طلب تھے دین کی عزت کے واسطے — القصہ جو وہ کرتے تھے امت کے واسطے

اُن کو کسی طرح طمع سیم و زر نہ تھی
ہرگز انھیں مفاد پر اپنے نظر نہ تھی

فیضانِ صحبتِ نبویؐ سے تھے مستفید — دیکھا اُنھوں نے نورِ رسالت کو چشم دید
پیدا ہوئے سعید جیسے اور مرے سعید — تھی اُن سے خواستگاریٔ دنیا بہت بعید

لیکن یہ انتظام الٰہی ہی مہرباں
چڑھتا ہی بام پر کوئی بے وضع نردباں[۵۲]

زاہد تھے اور ملک ستانی کا اہتمام — دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوح شام
دنیا میں اُن کی دین تھا کالملح فی الطعام[۵۳] — دونوں کا پاس کرتے تھے القصہ ہوا تمام

بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہی
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہی

دنیا سے اُن کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز — اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رستخیز

۵۱۔ ٹھیکرے ۱۲ ۵۲۔ سیڑھی ۱۲
۵۳۔ جیسے کھانے میں نمک ۱۲

کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز
تب دیکھتے زمانہ کی کج دار اور مریز [۵۱]

پھر کون پوچھتا تھا خدائے یگانہ کو
پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو اُنھیں کا طفیل ہے
کم بیش سب کو جانب توحید میل ہے

اعمال شرک جوں خس و خاشاک و سیل ہے
اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہے

شرک کی کوئی شے نہیں کرتا خدا قبول
اُس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دستار
واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار

مونس رفیق موجب تسکین غمگسار
ہمدرد بے ریا و ہوا خواہ جاں نثار

وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا
دنیا میں اُس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دین کو بنایا چھوئی موئی
دنیا میں اور دین میں لگانے لگے دوئی

پھر قاصر اس قدر نظرِ نارسا ہوئی
شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی

دیں کے عوض تعصب و اوہام رہ گئے
دیں دار اہل مر گئے بد نام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار
اور کیونکہ ہوتے مولوی [۵۲] جنت کا چوبدار

---

[۵۱] کج دار اور مریز سے مراد ہے تکلیف مالا یطاق کیونکہ ٹیڑھا رکھ اور گرنے نہ دے طلب محال ہے ۱۲ [۵۲] یعنی وہ مولوی جو ریائے وعظ کہتا ہے اور رہبانیت کی تعلیم کرتا ہے اور حصول دنیا میں غرق ہے کبھی تعمیر مسجد کو ذریعہ حصول مال کرتا ہے اور کبھی تعمیر مدرسہ کو یہ مولویوں کے کرتوت ہیں جیسی صوفیوں کی ترکیب بھی اور ہے کہ تعمیر خانقاہ و عرس کو ذریعہ حصول مال کرتے ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۵

ترک دنیا بمردم آموزند
خویشتن سیم و غلہ اندوزند

مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار — مفلس بہیر مومن و دست از طلب بدار
دنیا و دیں کے ربط کی رسّی کو کاٹ کے
دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہی سب سے بڑا سبب — دنیا میں اور دیں میں علم اونٹ ارے غضب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہی روز و شب — لازم ہی دین کا بھی کما حقہٗ ادب
خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے مٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہی دیکھ کے دنیا کا انقلاب — افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب — آپس میں[۵۱] رحم و لطف عدو کے لئے عذاب
مسجد میں سر بسجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پر

لوگوں کو گر مناصب دنیا گناہ ہوں — داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں
دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں — اُن[۵۲] کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں
اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے
پیشانیوں پر اُن کی تھے گھٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار — بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار
وہ چھینتا[۵۳] نہیں ہی کبھی دے کے ایک بار — شایاں اُسے نہیں ہی کہ نیدوں کو دے اُدھار

۵۱۔ اشارہ ہی قرآن مجید کی اس آیت کی طرف۔ محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود

۵۲ یعنی اصحاب رض کا ۱۲ ۵۳۔ اشارہ ہی طرف آیت ما کان الله مغیر النعمة انعمها علی قوم حتی یغیروا ما بانفسهم کے ۱۲

دنیا بدل گئی ہمہ نعمت بدل گئی
اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیت[۵۱] نہیں رہی
ہم میں کسی طرح کی مزیت[۵۲] نہیں رہی
مضبوطی ارادہ و نیت نہیں رہی
جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی
ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم
اے قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم
اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم
تقصیر فی مقابلۃ الناس[۵۳] جائے شرم
تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خصال
لفظ عرب میں نحن رجال[۵۴] وہم رجال
اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہے یہ سوال
کیوں آ گیا ہے قوم کی حالت میں اختلال[۵۵]
اقوام روزگار میں ہیٹے ہو کس لئے
بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لئے

کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں
لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں
منھ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں
آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پہ خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا

---

۵۱ ایک دوسرے کی طرفداری و حمایت ۱۲ ۵۲ فضیلت ۱۲ ۵۳ یعنی لوگوں کے مقابلہ میں ہیٹا ہونا شرم کی بات ہے ۱۲
۵۴ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں ۱۲ ۵۵ خلل ۱۲

کس کس کا نام لیں کہ چناں اور چنیں رہا ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالک خزائن روئے زمین تھے

اہل زمانہ قاطبتہ[1] خوشہ چین تھے

ہم کو خراج دیتے تھے دنیا کے بادشاہ تھی مرجع[2] انام کبھی اپنی بارگاہ

اس میں بقدر ذرہ نہیں شک و اشتباہ تاریخ ہی ترقی اسلام کی گواہ

جن کو ہمارے ساتھ دریغ التفات ہے

ہم اُن پہ حکمراں تھے ابھی کل کی بات ہے

ہم نے بنایا اہل جہاں کو خدا پرست ہم نے دلایا یاد انھیں وعدہ الست[3]

ہم نے کیا بتوں کے تئیں سرنگون و پست ہم نے اُتارا نشہ صہبائیان[4] مست

شائستگی کی بیل ترقی کے ساتھ کی

پودا اسی کی ہے لگائی ہوئی اپنے ہاتھ کی

کچھ ایسی اپنی بات بن آئی تھی اُن دنوں ساری زمیں پر اپنی دوہائی تھی اُن دنوں

گر دوستی تھی یا کہ لڑائی تھی اُن دنوں ہر حال میں ہماری بڑائی تھی اُن دنوں

کیا فضل کردگار تھا کیا اُس کی شان تھی

اسلام تھا کہ دولت و ثروت کی کان تھی

یسر و فراغ دولت و حشمت ہزار حیف وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف

عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف صد حیف قابلیت نعمت ہزار حیف

گو حور بعد کور اشد العذاب[5] ہے

---

1 کلیتہ ۱۲ 2 جائے رجوع خلق ۱۲ 3 ارشاد ہے اس کی طرف کہ خدا نے سب آدمیوں کی روحوں سے پوچھا - کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں ۱۲ 4 شرابی ۱۲ 5 حدیث نعوذ باللہ من الحور بعد الکور - یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو حور بعد کور بتر العذاب ہے۔ مگر اس کا یاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گئی ہوئی جوانی کی پھر تمنا کر رہا ہے ۱۲

یاد از قبیل لیت یعود الشباب ہے

کیا فائدہ جو تذکرۂ ما مضٰے کریں | کیوں یادِ رفتگان میں ماتم بپا کریں
بے سود گرچہ تا بہ قیامت بکا کریں | اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں

فرہاد[۵۱] وار در صددِ جوئے[۵۲] شیر کیا
اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے ایک وجہ تسلی بہت بڑی | قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
جن کو فلاح خلق ہے منظور ہر گھڑی | لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آ پڑی

ناحق جب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارِ فرات پر

دروازہ کونسا ہے جو ہم پر کھلا نہیں | ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں | آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں

بے جوتے بوئے آپ اُگے گا اناج کیا
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اِس کا علاج کیا

اس ضد احمقانہ کو للہ کم کرو | جانوں پر اپنی بہر خدا مت ستم کرو
چاہو ہمیں بُرا کہو یا متہم کرو | پر روٹیوں کی فکر تو بہرِ شکم کرو

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل پہ ٹھان لو | وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم پر مدار اِسے خوب جان لو | اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو

رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے

---

۵۱ - یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمائش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا۔ ۵۲ درپے۔

توفیق[ف۱] تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

لیکن مراد علم سے علمِ جدید ہے — یورپ میں جس سے رونقِ ہل من مزید[ف۲] ہے
ثروت کی سلطنت کی یہی اک کلید ہے — یہ ہو تو پھر تمام زمیں زر خرید ہے

ایسی کلیں چلی ہیں کہ طلسمات کر دیا
ان کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

یہ علم گر نہیں ہے تو فضل و کمال ہیچ — منشی ادیب شاعر شیریں مقال ہیچ
وابِ مناظرات و جواب و سوال ہیچ — تحقیق میر[ف۳] زاہد و ملا جلال ہیچ

ہم نے تو قیل و قال میں کی عمر رائگاں
یورپ نے ہائے لوٹ لیا گنج شائگاں

ہم میں سے آج جو علمائے فحول[ف۴] ہیں — مخدوم ہیں کہ خادم شرع رسول ہیں
عابد ہیں باخدا ہیں ثقہ ہیں عدول[ف۵] ہیں — لیکن معاملات میں ایسے جہول ہیں

سمجھیں نہ وہ حساب کا ادنیٰ سوال بھی
پھر یار روا ایسے پڑھنے کا کوئی مآل بھی

ان کے لئے تلافی مافات[ف۶] ہو چکی — درماندہ سے امید شفاعات ہو چکی
بیمار جاں طبیب سے مداوات[ف۷] ہو چکی — بس لوٹ دو بساط کہ یاں مات ہو چکی

دیں دار مدعی تھیں دنیا سے کھوئیں گے
یہ ناخدا جہاز تمہارا ڈبوئیں گے

واللہ سارے اپنی خرابی کے ڈھنگ ہیں — کل صنعتیں بہ قبضۂ اہل فرنگ ہیں

ف۱ مال منال ۱۲ ف۲ کچھ اور بھی ہے ۱۲ ف۳ یہ دونوں کتابیں منطق کی عربی میں مشہور ہیں ۱۲ ف۴ عالم متبحر ۱۲ ف۵ راستگو جس کی گواہی مقبول ہو ۱۲

ف۶ جو چیز فوت ہو گئی یعنی ہاتھ سے جاتی رہے ۱۲ ف۷ علاج ۱۲

بیٹھے ہوئے وِدوں پہ تعصب کے زنگ ہیں
محتاج ہیں غریب ہیں مفلس ہیں تنگ ہیں

ہم اپنا پیٹ پالتے ہیں پٹ پیٹ کر
انگریز ساری لے گئے دولت گھسیٹ کر

یورپ اگرچہ لے گیا بازی تو خیر ہی
ہم کو خدانخواستہ کچھ اُس سے بیر ہی
وہ صاحب کتاب ہی ہر چند غیر ہی
مسجد نہ ہو تو صومعہ[۹۱] بہتر زویر[۹۲] ہی

ہندو اٹھائے بیٹھے ہیں سر آسمان کو
ہم پوچھتے ہیں روؤگے کس کس کی جان کو

کوشش کرو تو غیب سے ہوں حاجتیں روا
بے جہد کے کسی کو کبھی کچھ نہیں ملا
ہم کو توقعات نہ رکھنے کی وجہ کیا
یورپ نے کچھ خدائی کا ٹھیکہ نہیں لیا

دو تین چار ہاتھ کھسکنا ضرور ہی
مانا کہ ہم سے منزل مقصود دور ہی

قسمت کی خوبی دیکھو کہ اب بھی خبر نہیں
سمجھانے اور کہنے کا مطلق اثر نہیں
جس سے رفاہ قوم ہو ایسا ہنر نہیں
کیوں بھائیو کسی کی توجہ ادھر نہیں

کردار ناصواب پر اصرار کس لئے
آنکھوں سے دیکھتے ہو تو انکار کس لئے

یارب[۹۳] قلوب عصبتنا بین اصبعیک
الرشد والهدایة والفوز فی یدیک
نستشفع[۹۴] النبی باکرامه لدیک
لما قضیت سائر حاجاتنا الیک

ہوں بر سر عروج خیالات قوم کے

---

[۹۱] معبد نصارا ۱۲ [۹۲] ہندوؤں کا مندر ۱۲ [۹۳] اے رب ہماری قوم کے دل تیری دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں سیدھے رستے پر چلا جانا اور مطلوب پانا تیرے ہی ہاتھ میں ہی ۱۲ [۹۴] ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ تیرے نزدیک اُن کی عزت بھی شفیع لاتے ہیں۔ ہماری تمام حاجتیں جو تجھ سے متعلق ہیں ضرور پوری کر ۱۲

شایان شان قوم ہوں حالات قوم کے

سب جانتے ہیں عالم اسباب ہے جہاں — ہر واقعہ نتیجۂ علت ہے بے گماں
اس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں — جاری ہے یہ زمین سے لے تا بآسماں
یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اس کے بری نہیں

دیں کا عروج بے سبب معتبر نہ تھا — تھا مزد سعی[۱] صرف دعا کا اثر نہ تھا
راہ خدا میں جان تلک کا بھی ڈر نہ تھا — مومن نہ تھا کہ جس کا ہتیلی پہ سر نہ تھا
ان معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں بہا[۶]
اک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں بہا[۷]

تھی نار شرک سارے زمانے میں مشتعل — روئے زمیں پہ نور ہدایت تھا مضمحل
اہل کتاب تک اسی آفت میں پاگل — بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال یا مضل[۸]
شیطان کی جہاں میں دہائی پھر گئی
یعنی خدا سے ساری خدائی پھر گئی

اہل عرب[۲] کا حال تھا سب میں بہت خراب — جیسے بلا مبالغہ چینوٹی بھڑاکیاب
بارود سے زیادہ مزاجوں میں التہاب[۳] — گر بات پوچھیے تو ملے جنبیہ[۴] جواب
اتنے سے نقطہ پر کہ چلو ہاٹو پرے
لڑنے پہ مستعد ہوئے حتیٰ کہ کٹ مرے

سفاک کینہ توز[۵] ستمگر ستیزہ جو — بے رحم سنگدل متمرد درشت خو

---

۱ کوشش کا صلہ ۱۲ ۲ یہ حال اہل عرب کا تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ ۳ افروختہ شدن آتش ۱۲
۴ جنبیہ ایک آلۂ قتل ہے ۱۲ ۵ کینہ کش ۱۲ ۶ یعنی خون گرا ۷ تاوان معاوضۂ خون ۱۲
۸ یعنی گمراہ یا گمراہ کرنے والے ۱۲

غارت گروں کو اہلِ قوافل[۵۱] کی جستجو	اِس ٹوہ میں سدا پڑے پھرتے تھے چار سو
صحرانورد و وحشی و خانہ بدوش تھے
اونٹوں کو پالتے تھے بس اِتنے ہی ہوش تھے

اُن کو نظر نہ تھی نہ زیاں پر نہ سود پر | گھر بار سب لُٹا دیں گر آجائیں جود پر
جانیں نثار کرتے تھے اپنے وفود[۵۲] پر | مرتے تھے فخر و عزت و نام و نمود پر

برداشت کر نہ سکتے تھے ازبسکہ بیٹیاں
کمبخت مار ڈالتے تھے اپنی بیٹیاں

محکوم تھے بھی بعض تو صرف از برائے نام | کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات[۵۳] و انتظام
اک رنگ میں رنگے ہوئے چھوڑے تمام | دادوں کا لیتے پوتوں پڑپوتوں سے انتقام

ہر قوم سے طناب عداوت تنی ہوئی
بارہ مہینے اُن میں لڑائی ٹھنی ہوئی

تھے گرچہ علم و فضل و لیاقت سے بے نصیب | لیکن ہر ایک باغِ فصاحت کا عندلیب
ترکیب اُن کی بولی کی واقع ہوئی عجیب | جادو وا گر نہیں ہی تو جادو کے ہی قریب

وہ دل کو موہ لیتے تھے طرزِ بیان سے
باتوں میں پھول جھڑتے تھے اُن کی زبان سے

باآنکہ شہرِ مکہ میں تھا کعبۂ خلیل[۵۴] | نالائقوں نے اُس کو کیا اس قدر ذلیل
گھر میں خدا کے سیکڑوں بت ہو گئے دخیل | جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل

کیا انقلاب گردشِ چرخِ کہن کے ہیں
یہ بت پرست خلف اُسی بت شکن کے ہیں

---

۵۱ جمع قافلہ ۱۲ ۵۲ مہمان ۱۲ ۵۳ جمع سیاست ۱۲ ۵۴ یعنی اہل عرب حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلعم کی اولاد اور اُن کے دین کے مدعی تھے اور پھر کعبہ میں بت رکھ کر بت پرستی کرنے لگے ۱۲ ۵۵ سخاوت ۱۲

غالب صفت تھی اُن کی خشونت[۱] بہر حال[۲] — اِس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال
وہ خانہ واریاں تھیں بجائے خورش بال — اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال

منکوحہ چھوٹ جاتی تھی عذرِ خفیف[۷] پر
نزلہ گرا ہی کرتا ہے عضوِ ضعیف پر

ناگفتہ بہ ہے اُن کا طریقِ معاشرت — شرم و حیا سے اُن کو نہ تھی کچھ مناسبت
کرنا[۳] زنانِ بیوہ کی ارث و مقاسمت — دو بہنیں اور حقوقِ زنی میں مشارکت

ظاہر خراب اُس سے زبون تر سیرتیں[۴]
انسان ہو کے اُن میں بہائم کی سیرتیں

سب اہل روزگار تھے گمراہ یک قلم — مستوجب عذاب الٰہی عرب عجم
پر اُس[۵] نے عین وقت پر اپنا کیا کرم — پیدا ہوئے نجات[۶] دہ مانندۂ امم

بنیاد شرک و کفر و ضلالت کی ہل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزل مقصود مل گئی

کیا عقل تھی جناب رسالت مآب کی — شرمندہ جس کے آگے ضیا آفتاب کی
تدبیر سوچتے تھے مگر فتح باب کی — آخر کو راہ ڈھونڈھ نکالی صواب کی

وہ گمرہی وہ خوئے جہالت نکل گئی
تھوڑے دنوں میں ملک کی حالت بدل گئی

ہر چند اُن کو ذات خدا کی پناہ تھی — پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
تدبیر صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی — جو دوسروں کی راہ ہے وہ اُن کی راہ تھی

---

[۱] سختی - درشتی ۱۲ [۲] بہر حال ۱۲ [۳] عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ مثلاً باپ دس بیبیاں چھوڑ مرا تو وہ بیبیاں مثل مال متروکہ بیٹوں پر تقسیم کردی جاتی تھیں۔ اور ان کی بانٹ میں لڑائیاں ہوتی تھیں اس کے علاوہ حقیقی بہنیں ایک نکاح میں ہوتی تھیں۔ ان بُری رسموں کو اسلام نے موقوف کیا ۱۲ [۴] اعمال باطن ۱۲ [۵] یعنی خدائے تعالیٰ نے ۱۲ [۶] پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ [۷] بودا - کمزور ۱۲

تقصیر کب درست ہی تدبیر کار ہیں
ہم اُن کے سامنے ہیں بھلا کس شمار ہیں

جاگو کہ شرط باندھ کے مردو ہے سو چکے — خارِ قنوط[51] راہِ تمنا میں بو چکے
جو کچھ تمھیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے — سُن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے
قسمت میں قوم کی ہی لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

جو لوگ ہیں سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند — کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب[52] پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند — مت ہو لذائذ حیوانی کے پائے بند
میری اگر سنو نہیں سمع[53] قبول کر
غفلت کبھی نہ کیجیو زنہار بھول کر

فسانۂ مبتلا کے متعلق آخیر کے جو بند تھے اُن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہی۔

دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے — اُن میں ہمارا حصّہ واجب ہو کاش کے
بوے ہیں جستجو کے طلب کے تلاش کے — ہاں مبتلا کی وضع کی اُس کی قماش کے
گر چاہیے تو لاکھ میں نوّے ہزار ہیں
طوطی چمن میں ایک ہی کوّے ہزار ہیں

عبرت کی داستان ہی احوال مبتلا — آنکھوں کے آگے پھرتی ہی تمثال مبتلا
اللہ رے جمال و قد و خال مبتلا — اور عنفوان عمر و سن و سال مبتلا
جس وقت وہ شراب جوانی سے چور تھا
بے شک و شبہ رشکِ غلمان و حور تھا

لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال تھی — بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی

---

۵۱ ناامیدی ۱۲ ۵۲ حاصل کرنا ۱۲ ۵۳ بہرا ۱۲

وہ زلف جو کبھی دل عاشق کا جال تھی — خود دوش مبتلا پہ بلا تھی وبال تھی
دیکھا تو آخرش خورش کرم گور تھا
جسکے جمال و حُسن کا عالم مین شور تھا

وہ مبتلا جو ناز و نعم مین پلے کبھی — سانچے مین ہاتھ پانون تھے جسکے ڈھلے کبھی
خنجر چلین گر ایک قدم بھی چلے کبھی — تیغ ادا سے کٹتے تھے جس کے گلے کبھی
بس خبتری مین قبر کی سب بل نکل گئے
رکھنے کے ساتھ لحد کے سانچے مین ڈھل گئے

آفت ہے موت خاصۃً مبتلا کی موت — تکلیف و درد و محنت و رنج و عنا کی موت
قہرِ الٰہی و غضبِ کبریا کی موت — دشمن کو بھی نصیب نہو اس بلا کی موت
انجام کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بار خدایا نہ دیجیو

تھی اُس پر ابتدا سے مسلط بلائے حُسن — طفلی مین تھا وہ آئینہ رونمائے حُسن
مضمر ہر ایک وضع مین اُسکی ادائے حُسن — اک عالم اُسکا شیفتہ وہ مبتلائے حُسن
اول سے شوقِ حُسن جو خاطر نشان ہوا
خواہان روے خوب ہوا جب جوان ہوا

شامت جو آئی اُسکی کیا دوسرا نکاح — سمجھا کہ چار شرع پیمبر مین ہین مباح
آئی مگر نظر نہ کبھی صورتِ فلاح — کیا ہی بُری وہ راے تھی اور کیسی بد صلاح
فرصت ندی پھر اسکو نزاع و جدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اک اس حلال نے

امن و فراغ و عافیت و راحت و قرار — نام و نمود و عزت و توقیر و اعتبار
حُسنِ معاشرت کہ تمدن کا ہے مدار — اور جس سے بے نیاز نہین کوئی خانہ دار

سب چیز جا کے فقر ہو اگھر مین جاگزین
جس چیز کو مکان مین پوچھو نہین نہین

جب مبتلا پہ آہی گیا وقت احتضار — منھ مین چوانے پانی لگی چشم اشکبار
یٰسین پڑھ رہے تھے کھڑے پاس غمگسار — اور دونون آنکھین ضعف نے دین ڈھانک ایکبار
یون بیکسانہ ہائے جوانی مین جان دے
جنت مین اسکو بار الٰہا مکان دے

جو لوگ ہین سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند — کرتے ہین بات بات سے وہ اکتساب پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند — مت ہو لذائذ حیوانی کے پابند
میری سنو اگر نہین سمع قبول کر
دو بیبیان نہ کیجیو زنہار بھول کر

ذیل کی نظم سرسید کی وفات پر ایک مرثیہ ہے جو مولٰنا نے دسمبر ۱۸۹۸ء کی ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ لاہور مین قبل اپنے لکچر کے پڑھی تھی - پڑھنے کے قبل نواب محسن الملک مرحوم اپنی کرسی سے اُٹھے اور مولٰنا سے مخاطب ہوکر کہا کہ ع بادہ در جوش ست یاران منتظر؛ اسکے بعد مولٰنا اپنی کرسی سے اُٹھے اور لکچر کے بعد مندرجۂ ذیل مرثیہ پڑھا۔

(۴۰)

ہر اک جاندار کی بے شبہہ اکدن جان جانی ہے — خدا کی ذات واحد کے سوا ہر چیز فانی ہے
نہین معلوم بعد از مرگ کیا کچھ پیش آنی ہے — مگر مدح خلائق مغفرت کی اک نشانی ہے
مرے پر اپنے اور بیگانے سرسید کو روتے ہین
خدا کے نیک اور مقبول بندے ایسے ہوتے ہین

وہ اپنے وقت کا اک فرد کامل بلکہ اکمل تھا — کہ ہم مین کا ہر اک اعلیٰ اسے اعلیٰ اُس سے اسفل تھا

خرد مندون کی صف مین سب موخر تھے وہ اول تھا — غرض اسلامیون کی فوج کا لیڈر تھا جنرل تھا
اب اُسکے بعد لشکر ہے مگر افسر نہین کوئی
بھٹکتا پھر رہا ہے قافلہ رہبر نہین کوئی

ہمین سر سید احمد سے بڑی بھاری شکایت ہے — بیان ہو کس زبان سے خون چکان اپنی حکایت ہے
رہے دھوکے مین ہمکو آپکے دم کی حمایت ہے — نہ سوچے من علیہا فان بھی قرآن کی آیت ہے
یکایک ہو کے بے رخ چلدیے ہمکو دغا دیکر
نہ چھینے دشمنون سے بھی کوئی نعمت خدا دیکر

مسلمانون کی حالت مین تو مدت سے تنزل تھا — کبھی کا مل چکا تھا خاک مین جو کچھ تجمل تھا
مدار زیست تقدیر آلہی تھی توکل تھا — نہ خواہش تھی ترقی کی نہ حاکم سے توسل تھا
ہمارے سر پہ بجتے ڈھول تھے اور شور ہوتے تھے
مگر ہم ہین کہ بسم اللہ کے گنبد مین سوتے تھے

نہ جانا ہم نے جاکر رات کب کا دن نکل آیا — ہوئین بد نظمیان سب دور انگریزی عمل آیا
بجا آیا باستحقاق آیا بر محل آیا — بساط کہنہ کا تقدیر سے نعم البدل آیا
پر از خود رفتگان خواب غفلت کو خبر کیا ہو
شب تاریک ہمسے تیرہ بختون کی سحر کیا ہو

ہمین احساس ہی باقی نہ تھا اپنی تباہی کا — نہ ہو ننگی کو جیسے علم اپنی روسیاہی کا
گدائی مین بھی ہم رکھتے تھے غرہ بادشاہی کا — بنادانستگی دعوی فضیلت دستگاہی کا
عروج اہل انگلستان کو ہم کیا سمجھتے تھے
خدا جانے کہ اپنی شان کو ہم کیا سمجھتے تھے

زمانہ حسب عادت اپنی دھیمی چال چلتا تھا — نہ تھمتا تھا نہ رکتا تھا نہ اپنا رخ بدلتا تھا
اگر جو کوئی اسکا ساتھ دینے سے مچلتا تھا — یہی دیکھا کہ آخر کو کف افسوس ملتا تھا

زمانے سے لڑے ٹکر کسی میں ہے سنبھال اتنی
خدا سے بیر باندھے کس نے پائی ہے مجال اتنی

ہم اسپر بھی باطمینان بیٹھے تھے نہ تھا کھٹکا   نہ بیر بیچے تھے جھگڑے اور نہ کھایا تھا کبھی جھٹکا
یکایک زلزلے نے غدر کے اکدم سے آ پٹکا   نہ اُٹھے جس سے کُلھیا اُسکے سر پر دھر دیا ٹکا

مسلمانوں کے مٹجانیمیں ہرگز کچھ نہ تھا باقی
مگر وہ کیا مٹے رکھے جسے فضل خدا باقی

خدا نے سید احمد خاں کو دی توفیق غمخواری   عطا کی عقل صائب جامع دنیا و دینداری
اسیکی سخت حاجتمند تھی یہ قوم بیچاری   علاج آسان ہے جب ہو گئی تشخیص بیماری

اسی نے سب سے پہلے عزت اور دولت کا گُر سمجھا
خزف کو اُسنے گردانا خزف اور دُر کو دُر سمجھا

اُسی نے علم کو اُسکی حقیقی شان میں دیکھا   اور اُسکی طاقت اور قوت کو انگلستان میں دیکھا
جو برسوں میں نہوتا تھا ہوا اک آن میں دیکھا   محال و ممتنع کو حیز امکان میں دیکھا

جنون ہے خبط ہے تقدیر سے ناحق جھگڑتے ہیں
ہم آپ ہی اپنے ہی کرنیسے بنتے اور بگڑتے ہیں

حصول علم ہی انسان کو انساں بناتا ہے   یہی تو بادشاہ اور کنگ اور سلطاں بناتا ہے
یہی فرمانروا و حاکم دوراں بناتا ہے   یہی مفلس کو دولتمند باسامان بناتا ہے

ہنر کو کہتے ہین اور ٹھیک کہتے ہیں کہ دولت ہے
کہ دولت بھی تو دنیا مین ہنر ہی کی بدولت ہے

کہاں ہندوستان اور اُس سرے جاکر کہاں لندن   باین بُعد مسافت بیچ مین دریاے برہم زن
چلے اور آکے قابض ہو گئے سب ملک پر فوراً   بھلا کیا تاب انکی حکمتوں کی لا سکے دشمن

ہماری قوتین سب منحصر ہین گاؤزوری مین

بھری ہی صنعت و ایجاد انکی یورپی مین

رہے مصروف ہمتو سب کے سب باتین بنانے مین
کہ یورپ ھم سے آگو داخدائی کارخانے مین

ہمسے بھی گئے گذرے ہوے تھے اک زمانے مین
پر اب دنیا کی دولت پھٹ پڑی انکے خزانے مین

خدا ہی نے کچھ انکو رازدار اپنا بنایا ہے
کہ انکی قوم نے نیچر کا رستہ دیکھ پایا ہے

رہی ہم مین نہ باقی جب لیاقت ملکداری کی
فلک سے جا کے ٹکرائین صدائین آہ و زاری کی

پس از اتمام حجت حق نے عادت اپنی جاری کی
کہ آخر ایک حد ہوتی ہے حلم و بردباری کی

دیا ملک انکو جو اس نعمت عظمی کے شایان تھے
کہ انکے رشد کے آثار ظاہر تھے نمایان تھے

زوال سلطنت تھا گو بظاہر موت سے بدتر
ولیکن درحقیقت قہر مین بھی رحم تھا مضمر

کہ ہمکو امن و آسایش ہے اپنے عہد سے بڑھکر
ہوا ہے علم ارزان جیسے بھٹے مولی اور گاجر

یہ آزادی جو حاصل ہے کسی کو کب میسر تھی
اگر سچ پوچھیے تو زندگی لوگون پہ دوبر تھی

برائے نام انگریزون کی کہنے کو رعیت ہین
کہ حاکم رحمدل منصف مزاج اور نیک نیت ہین

لیاقت دوست ہین جوہر شناس قابلیت ہین
اور اسپر بھی نہ پنپے ہم تو پورے بے حمیت ہین

نہین اس عہد مین تخصیص قوم و ملک و مذہب کی
اگر ہم اہل ہون تو سلطنت بھی ہی ہمین سب کی

مگر کیا ظلم ہی ہم بدگمان ہین اسقدر انسے
کہ ہر ایک بات مین رکھتے ہین پرہیز اور حذر انسے

الٰہی کب وہ دن ہوگا کہ ہون شیر و شکر انسے
تو پھر جی کھول کر حاصل کرین علم و ہنر انسے

بطوع و خوشدلی ایک ایک کی عادت کو سہ جاے
یون ہی کچھ تفرقہ مذہب کا رہجائے تو رہجاے

نہین ممکن کہ دنیا مین ہو عزت بے اسکے
نہین ممکن کہ عظمت ہو کسی خدمت سے بے اسکے
نہین ممکن کہ ہوون ہاتھ آشنا دولت سے بے اسکے
نہین ممکن کہ نکلو فقر کی ذلت سے بے اسکے

رہو گھل ملکے اور سیدھی طرح گر تمکو رہنا ہے
عزیزو تمسے آخر مین ہمین اتنا ہی کہنا ہے

یہ باتین ہین جو ہمنے اخذ کین مرحوم سید سے
نہ سید بلکہ قومی رہنما و پیر و مرشد سے
وہ سمجھاتا رہا ہر ہر طرح پر ہر منزل سے جب سے
ولیکن ہم رہے محروم اپنی غفلت و ضد سے

وہ ہم پر جان دیتا تھا اُسے دشنام ملتے تھے
یہ اپنی قوم سے اسکے تئین انعام ملتے تھے

مگر وہ دردمند قوم اک کوہ تحمل تھا
جو اُسکے حق مین کانٹے تھے وہ اُنکے واسطے گل تھا
مخالف پارٹی کا گو بہت سا شور تھا غل تھا
ولے اُسکے ارادے مین نہ کچھ مطلق تزلزل تھا

کسی مطلب پہ کوئی دل نہادہ ہو تو ایسا ہو
جو ہمت ہو تو ایسی ہو ارادہ ہو تو ایسا ہو

تعلق قوم سے اور قوم کے چھوٹے بڑے دشمن
اُسے سمجھا کیے دین کا عدو ایمان کا رہزن
شب تاریک بتلائین اگر وہ دن کہے روشن
اُنھین خو ٹالنے کی اور وہ مستعجل کہ ہو فورًا

کوئی اِس کشمکش کے پھیر مین کچھ کرکے دکھلائے
جیے اُسکی طرح اُسکا سا مرنا مر کے دکھلائے

علیگڈھ مین غرض اِس مرد نے کالج بنا چھوڑا
مسلمانون سے انگریزون کو بالآخر ملا چھوڑا
تعصب سنگ رہ تھا اسکو رستے سے ہٹا چھوڑا
مگر افسوس کیون اُسکو نہ اے دست قضا چھوڑا

یہ کالج بام یونیورسٹی کی نردبان ہوتا
تو اُسکا بھی دل مایوس کیسا شادمان ہوتا

مسلمانون کا عاشق مرگیا اور ہمکو مرنا ہے
ہمارا کام سچائی سے حق کا کہہ گزرنا ہے

خدا کے آگے جا کر کیا کہین کہکر مکرنا ہے　　پھر اب مانو نہ مانو اپنا کرنا اپنا بھرنا ہے

نہ مانوگے تو ساری عمر تقدیرون کو روؤگے

بگڑ جاؤگے مٹ جاؤگے کچھ اپنا ہی کھوؤگے

الٰہی تو تو دانا ہے نہان و آشکارا ہے　　نہین پوشیدہ تجھ سے جسطرح اپنا گزارہ ہے

نہ آمد ہے تجارت کی نہ خدمت کا سہارا ہے　　نہ معتد بہ زمینداری مین کچھ حصہ ہمارا ہے

ہماری کاہلی ہرچند کچھ کرنے نہین دیتی

یہ رزاقی ہے تیری جو ہمین مرنے نہین دیتی

تری نعمت کی قدر اور اُسکی خدمت جب نہ بن آئی　　تو ہمنے جور بعد الکور کی واجب سزا پائی

مگر اب حد سے افزون ہوگئی ہے اپنی رسوائی　　لگے ایذائین دینے اور ستانے ہموطن بھائی

ہمارے ساختہ پرداختہ ہمکو بناتے ہین

جو ہردم مُنھ تکا کرتے تھے اب وہ مُنھ چڑاتے ہین

اگر بے حرمتی سے پیٹ پالا بھی تو کیا پالا　　کسی ڈھب سے قضا کو ایک وقت خاص تک ٹالا

ہوے بدنام اور پنچون کے آگے منھ ہوا کالا　　بزرگون کی نمود اور آبرو کا خون کر ڈالا

گئی عزت تو ایسے کھانے اور پینے پہ لعنت ہے

اسی کا نام جینا ہے تو اس جینے پہ لعنت ہے

اگرچہ رزق کیجانب سے اطمینان رکھتے ہین　　ومامن دابۃ پر بالوثوق ایمان رکھتے ہین

مگر اک مفلسی کا درد بے درمان رکھتے ہین　　کہ آخر ہم بھی تھوڑی یا بہت کچھ آن رکھتے ہین

الٰہی گرچہ ہم نااہل ہین اور پست ہمت ہین

مگر بندے ہین تیرے تیرے پیغمبر کی اُمت ہین

الٰہی سیّد عالم شہ لولاک کا صدقہ　　اور اُنکی خُلّت اور توحید بے اشراک کا صدقہ

پڑے ہون جس جگہ اُنکے قدم اُس خاک کا صدقہ　　جہان مدفون ہین اُس سرزمین پاک کا صدقہ

کہ ہم سب درپے اجرائے کار نیک ہو جائین
تکلف برطرف سارے کے سارے ایک ہو جائین

نہین مطلب کہ ہمکو تخت ہو یا تاج شاہی ہو
نہین خواہش کہ ہمکو سلطنت خواہی نخواہی ہو

نہین حاجت کہ اپنا شہرہ از مہ تا بماہی ہو
فقط بس ایک یونیورسٹی کی سربراہی ہو

اگر یہ ہو تو ہم نے کل مطالب اپنے بھر پائے
وگرنہ حکم دے اک دم سے ساری قوم مرجائے

مندرجۂ ذیل نظم مولٰنا نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دسمبر ۱۸۹۹ء مین بمقام کلکتہ اس تمہید کے بعد پڑھی تھی۔

کوئی کیسا ہی بے دھڑک بولنے والا کیون نہو کلکتے کے عام مجامع مین اور خاصکر ایسے باوقار تعلیمی مجمع مین جسکو اسوقت مین اپنے گرداگرد دیکھتا ہون گفتگو کرتے ہوے تھوڑا بہت ضرور ہچکچائیگا۔ کلکتے کو خدا نے ایک خاص شرف دیا ہے کہ اسوقت مملکت ہند کا دارالسلطنت ہے وکفی بہ فخرا۔ دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے کلکتے کی ہر ایک چیز کو ایک عظمت لازم ہو گئی ہے حتی کہ اسکا مجرد نام ہر فرد بشر کے مرعوب کرنے کے لیے بس کرتا ہے۔ اللہ اللہ کبھی یہ عظمت یا اسکے مماثل ہماری دلّی کو بھی تھی۔ میری عمر کے اوائل مین اگرچہ وہ دلّی کے انحطاط کا زمانہ تھا پھر بھی ہر فن کا فرد کامل دلّی مین موجود تھا۔ لوگ نہ صرف دلی والون کی زبان کا لوہا مانتے تھے بلکہ انکی وضع کا انکی تہذیب کا انکی لیاقت کا انکی ذہانت کا انکے علم و ہنر کا انکی حرفت و صنعت کا یعنی ہر چیز کا جو دلّی کی ہو یا دلّی کو چھو گئی ہو ؎

گرچہ خردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

یا اب یہ حال ہے کہ بجاے دارالسلطنت ہونے کے وہ ایک ضلع رہ گیا ہے من مضافات لاہور فاعتبروا یا اولی الابصار۔ بس اس نسبت سے دلّی کے تمام محامد تمام فضائل مین کمی ہے ان الملوک

اذا دخلوا قریۃ افسدوہا وجعلوا اعزۃ اہلہا اذلۃ وکذالک یفعلون ؎

خاک ہوے پامال ہوے برباد ہوے سب محو ہوے
اور شدائد عشق کی رہ کے کیونکر ہم ہموار کرین

غرض جب مین نے خیال کیا کہ مجھکو بھی کلکتے کی تعلیمی کانفرنس مین جانا پڑیگا "طفل ہنی و دوسے برندش" اور جانے کے علاوہ کچھ کہنا بھی پڑیگا تو بات کہون صاف مین بھی ہچکچایا تو تھا اور اب معزز اور باوقار آڈینس کو دیکھکر ثابت ہوا کہ میرا ہچکچانا بجا تھا۔۔۔۔۔ اور مین کلکتے کی کانفرنس مین شریک ہوتے ہوئے ڈرتا تھا۔ مگر نواب محسن الملک بہادر اصرار کرتے تھے۔ نہ اِس پر کہ مین کانفرنس مین شریک ہون بلکہ اسپر بھی کہ کچھ کہون اور جو کچھ کہون اُس مین نظم بھی ضرور ہو۔۔۔۔ غرض کچھ دنون حیص بیص مین رہا۔ آخر مین نے اِس خیال سے کانفرنس مین آنے کی اور کہنے کی اور بادل ناخواستہ نظم کی بھی ٹھان لی۔۔۔۔۔۔ یہ ہے تمہید اُس منظوم لکچر کی جسکے لیے مین نواب محسن الملک بہادر کیطرف سے مجبور کیا گیا ہون۔ شاعری کی حیثیت سے اس نظم پر بہت سے اعتراض ہون گے سو ہون۔ مین نہ شاعر ہون نہ شاعری جتانے آیا ہون بلکہ مین ہند کے مسلمانون کی طرف سے آپ صاحبون کی خدمت مین فریاد لیکر آیا ہون اور فریاد کی نسبت اسداللہ خان غالب فرما گئے ہین۔ ؎ فریاد کی کوئی لَے نہین ہے؛ نالہ پابندِ نَے نہین ہے؛ نفس مطلب اور شاعری کے اعتبار سے مین اپنے حق مین کہہ سکتا ہون ؎ شعر میگویم بہ از آب حیات ؛ من ندانم فاعلات فاعلات

(۲۱)

عزیزو سمجھتے ہو اسلام کیا ہے
وہ شے جس کا اسلام ہی نام کیا ہے

جو اِس رمز معنی کو سمجھین وہ کم ہین
ولیکن بحمد اللہ ایک اُن مین ہم ہین

غرض اِس سے کچھ خودستائی نہین ہے
مگر ضبط کی اب سمائی نہین ہے

ادھر آؤ تم کو مسلمان بنائین
تمھین دین و مذہب کی غایت بتائین

یہ غایت ہے یکسو کرُن حق و باطل
میانِ صحیح و غلط حد فاصل

یہ غایت ہے پہچان خالی بھرے کی
یہ غایت کسوٹی ہے کھوٹے کھرے کی

خدا نے جو یہ کارخانہ بنایا
اور آدم کو اس سرزمین پر بسایا

اُسے ساری مخلوق پر برتری دی
اور افواج عالم کی کُل افسری دی

قوی تر ہین مخلوق کی کتنی قسمین
مگر اُسکی سی عقل و دانش ہو کس مین

بظاہر یہ کم زور ہے ناتوان ہے
ولے اِس کا منقاد سارا جہان ہے

ازل مین جو علمی شرافت ملی ہے
اسی پر سے اس کو خلافت ملی ہے

طلب ہو اور اس پر سے توفیق رہبر
تو ہر اک خرابے مین ہین گنج مضمر

الٰہی ہمین جست و جو اور طلب دے
خلافت کے جتنے لوازم ہین سب دے

ہزارون برس عمر دنیا کی آئی
کسی نے نہ کچھ تھاہ قدرت کی پائی

زمین فی المثل اک خدا ساز گھر ہے
مزین ہے آراستہ سر بسر ہے

ضرورت کے کُل ساز و سامان ہین یہین
ہم اُترے ہوے مثل مہمان ہین یہین

بجز اپنے کس کی شکایت کرین ہم
خدا میزبان اور بھوکون مرین ہم

بہم اُس نے الوان نعمت کیے ہین
یہان بدنصیبی نے مُنہ سی دیے ہین

اُدھر سے کلوا و شربوا کی صلا ہے
مگر اپنی قسمت مین فاقہ لکھا ہے

کچھ اس طرح کے ہضم بگڑے ہوے ہین
کہ فاقے نہین ہین تو تخمے ہوے ہین

خدا جو نقائص سے پاک اور بری ہے
ہر اک کام مین اُسکی دانش وری ہے

وہ چیزین ہمین جنکی ہے سخت حاجت
مہیا و موجود ہین بے مشقت

ہوا سانس لینے کو پینے کو پانی
مگر ہم نے کچھ قدر ان کی نہ جانی

تجمل تکلف کے اسباب سارے
کسی کو نہین ملتے بے مُنہ پسارے

سر میز اقسام کھانے لگا دے
اجازت ہوئی جسکو جو بھائے کھائے

اگر ہے کوئی دال دلیے پہ قانع — وہ جانے نہین میزبان اُسکا مانع
مگر اُسنے نعمت کو نعمت نہ جانا — نہ منت اُٹھائی نہ احسان مانا
رہا مبتذل اور وقار اپنا کھویا — غرض اُسنے نام خلافت ڈبویا
نہ کچھ انتہا پائی عقل رسا نے — خدا ہی خود اپنے خزانون کو جانے
مگر آدمی زاد تعلیم پا کر — پہونچتا ہے اُن تک سُرنگین لگا کر
تو وہ زندگی مین مزے کر رہا ہے — زمانے کو جو وہ کہے کر رہا ہے
سلیمان ہے اور ہوا اُسکے بس مین — عناصر کے جنات اُسکے قفس مین
وہ خاصیت عرض وجوہر سے واقف — ہے فی الجملہ اسرار نیچر سے واقف
خلافت اُسے ہے وہ خلافت کو شایان — قیافے سے آثارِ دولت نمایان
جہان مین نہین ذرہ بیکار کوئی — غلط گر کرے اس سے انکار کوئی
جسے جس غرض سے بنایا ہے اُسنے — اُسے اُس کا رستہ دکھایا ہے اُسنے
زمین آسمان چاند سورج ستارے — کمربستہ مصروف خدمت ہین سارے
ہر اک کا طریق اطاعت یہی ہے — نہین بلکہ تسبیح وطاعت یہی ہے
ہمارے بنانے سے مقصود کیا تھا — وہ انکارِ شیطان مردود کیا تھا
ہماری خلافت کو اُس نے نہ مانا — ہمین اِس حکومت کے قابل نہ جانا
یہ گستاخی اُس کی خدا کو نہ بھائی — اکارت گئی اُس کی ساری کمائی
خدا کے ارادے مین حارج ہوا وہ — گروہِ ملائک سے خارج ہوا وہ
خدا کی مشیت کی تکمیل کرنا — اور اِس مین جہان تک ہو تعجیل کرنا
بہرحال بندون کو شایان یہی ہے — ہمارا تو بس دین وایمان یہی ہے
جب اگلون کا طرز عمل دیکھتے ہین — عقائد مین اپنے خلل دیکھتے ہین
بتاؤ تو کس کس سے ہٹتے رہے وہ — اگر پانون پھیلا کے لیٹے رہے وہ

مناتے اگر خیر ہنڈیا کی اپنی
نہ ہنڈیا ہی رہتی نہ ڈوئی نہ چینی

جدا اگر ہر اک اپنی مسجد بناتے
دوا کو مسلمان ڈھونڈے نہ پاتے

کیا جو کچھ اُس وقت کرنا تھا ممکن
مگر اب نہ راتین رہین وہ نہ وہ دن

رُخ خوب سے اپنے پردہ اُٹھایا
ہر اک چیز مین علم نے دخل پایا

قفس ہے تو ہو شکر ہے پر کھُلے ہین
ہوا ایک دربند تو سو در کھُلے ہین

خلافت کا پوچھو تو اب گر مُلا ہے
بہت غوطے مارے ہین تب دُر ملا ہے

مگر کہنے سُننے سکھانے سے کیا ہو
نہ جب تک کہ توفیق حق رہنما ہو

نمونے بہ افراط پیش نظر ہین
مگر چونکہ دل کور ہین بے بصر ہین

نہ جانین حدیث اور قرآن سمجھین
ہوی النفس کو عین ایمان سمجھین

شراب تعصب ملی اُن کو سستی
بہت پی گئے لگ گئی فاقہ مستی

نکالا نیا دین دنیا کا دشمن
لڑین دونون جس طرح سوکن سے سوکن

اگر تم کو دنیا مین رہنا ہے یارو
تو اپنی جگہ دل مین سوچو بچارو

کہ تم کیا تھے اور کیا سے کیا ہو گئے ہو
فلک پر سے تحت الثریٰ ہو گئے ہو

کوئی کب تلک یہ مصیبت سہے گا
مگر مچھ سے دریا مین لڑ کر رہے گا

بھلا یہ بھی جینے کی کوئی ادا ہے
کہ محتاج ہے کوئی - کوئی گدا ہے

کسی کو ہے مقدور اگر شاذ و نادر
نہین ضبط کرنے پہ خواہش کے قادر

وہ مصروف ہے عیش و تن پروری مین
پڑا چین کرتا ہے بارہ دری مین

اُسے قوم کے حال کی کیا خبر ہو
کہ ڈھائی دو بجے دن کے اُسکی سحر ہو

غرض اُسکو اسباب صارف بہت ہین
کہ خود اُسکے اپنے مصارف بہت ہین

بلا سے گرانی ہے یا خشک سالی
کنھیا نے برسات اپنی منالی

ہر اک سمت اور جا بجا گھُم گرڑے ہین
درختون پہ ریشم کے جھولے پڑے ہین

حسینون کی چارون طرف ٹولیان ہین
برابر کی عمرین ہین ہمجولیان ہین

ہنسی ہے کہین اور کہین قہقہے ہین
عنادل ہین اور باغ مین چہچہے ہین

ہے آہوے رم خوردہ ہر رانڈ گویا
یہ چھوٹا ہوا اُن مین اک سانڈ گویا

جہان دولت اِس طرح کی بد بلا ہے
تو ہونے سے اُسکے نہ ہونا بھلا ہے

وہ اُترت ہون جسکے امیر اکثر ایسے
بھلا اُسکی روداد بہتر ہو کیسے

اگر بہتری ہو تو تعلیم سے ہو
سو تعلیم گنج زر و سیم سے ہو

مگر گنج آئے تو آئے کہان سے
الٰہی برس جائے ہُن آسمان سے

پر اس عرض کی استجابت نہین ہے
کہ اللہ کی ایسی عادت نہین ہے

مجھے اس جگہ اک مثل یاد آئی
کہ کانون مین آواز فریاد آئی

مسافر کوئی اُترا مہمان سرا مین
بچھائی الگ چارپائی ہوا مین

نہ سونے دیا رات بھر کھٹملون نے
رکھا مضطرب صبح تک کروٹون نے

بہت دق ہوا اور دعا کی خدا سے
کسی طرح مجھکو بچا اِس بلا سے

ولیکن سے تھے کھٹمل کئی دن کے بھوکے
ستانے سے اور کاٹنے سے نہ چوکے

مسافر سے جب بات کچھ بن نہ آئی
لگا کہنے بس دیکھی تیری خدائی

کوئی ہاتفِ غیب فرط غضب سے
مخاطب ہوا آکے اُس بے ادب سے

کہ ناشکر بیہودہ کیا بک رہا ہے
عبث آسمان کی طرف تک رہا ہے

تجھے دفع موذی کی قدرت ہی حاصل
کر اپنی حفاظت نہ ہو اتنا کاہل

یہ دار العمل جائے حیرت نہین ہے
مگر تجھ کو کچھ شرم و غیرت نہین ہے

یہ دستور از روز اول رہا ہے
یون ہی کاروبار جہان چل رہا ہے

نیایش سے ہوگا نہ پوزش سے ہوگا
جو کچھ ہوگا اپنی ہی کوشش سے ہوگا

تہی دستی اور مفلسی کے بہانے
جسے کچھ بھی ہے عقل ہرگز نہ مانے

کہین سے تو کھاتے ہو پیتے ہو آخر
بھلی یا بُری طرح جیتے ہو آخر

اگر ہاتھ اُٹھا کر ہمین دو گے پیسا
اُسے عار سمجھے کوئی ایسا تیسا

جو کچھ ہم کو مل جائے دست کرم سے
نہین بحث اپنے تئین بیش و کم سے

تو ہم تنفر تعصب کو چھوڑ دو
یہ بت ہین مسلمان ہو ان کو توڑ دو

علی گڈھ کا مشہور و ممتاز کالج
وہ امراض قومی کا حکمی معالج

بتائین کہ کیون کر تھا آغاز اُس کا
ہوا جمع سامان خدا ساز اُس کا

ہمین تو بہت شرم آتی ہے کہتے
ولیکن نہین بنتی خاموش رہتے

خدا جانے سچ ہے یا زور ہے یہ
کتابون مین البتہ مسطور ہے یہ

کہ چھ سو برس تک کئی خاندان کے
مسلمان حاکم تھے ہندوستان کے

بزرگون پہ نازان ہو کیا سب کے سب تم
سُنا کیا نہ ہو گا لکم ما کسبتم

گزرگاہ دنیا تماشے کی جا ہے
اگر ہست کو نیست کہیے بجا ہے

نہین مستمر کوئی حالت یہان کی
ہے پا در ہوا کل عمارت جہان کی

اگر آج ہے اک جگہ بزم شادی
تو کل ہے وہین ماتم نامرادی

حکومت ملی سلطنت گھر مین آئی
نہ تھی ظرف عالی مین اتنی سمائی

نہ سوچے توسط کی حد سے گزر کر
بہت کھا گئے مر گئے پیٹ اپھر کر

تھی یورپ کو شہ طالع رہنمون کی
لگائے تھے سب تاک صیدزبون کی

سمندر کے اندر سے رستہ نکالا
تو پھر ملک تھا جیسے مُنھ کا نوالا

گئی سلطنت چھن گئی کو توالی
وہی پھر سے کھرپا وہی پھر سے جالی

حکومت کے جانے کا اک کو غم ہے
اُسے روئین گے جب تلک دم مین دم ہے

ہمین مرنا اِس حال مین کیا بُرا ہے
ولے ساتھ مرتے کے کوئی مرا ہے

مثل ہے کہ کھوٹا ہو اپنا ہی پیسا
تو غیرون پہ ناحق کا الزام کیسا

کچھ ایسے ردی تھے خیالات سب کے — کہ ہم خود بخود مٹ گئے ہونے کب کے
نہ گنجایش دخل چون وچرا ہے — خدا کا ہمارا عجب ماجرا ہے
زوال حکومت بظاہر سزا تھی — مگر اُس کی رحمت کی یہ اک ادا تھی
ہمین ناتوان اور ضعیف اُسنے پایا — سرون پر سے بار حکومت اُٹھایا
حکومت بھی اک طرح کا درد سر ہے — بشرطے کہ انجام کا دل مین ڈر ہے
تم اس درد کو تاجدارون سے پوچھو — محبت کو ہم دل فگارون سے پوچھو
حکومت تھی اک اور ہم کو محوّل — جسے ڈال رکھا تھا ہم نے معطل
حکومت ہے سچی حکومت قلم کی — نہ بندوق وسیف وسنان وعلم کی
خدائی خزانون کی کُنجی قلم ہے — کہ جو حرف لکھتا ہے وہ اک رقم ہے
قلم کا قلم ہے قدامت سے جاری — اُسی کی حکومت کو ہے پائداری
اگر اس حکومت سے ہم کام لیتے — تو شاہنشہی مفت بے دام لیتے
گئی سلطنت اُسکے جانے کا غم کیا — نہین پاس کاغذ دوات اور قلم کیا؟
مگر علم کی ہم نے طاقت نہ جانی — نہ جانی لیاقت لیاقت نہ جانی
گو استادِ منثور ومنظوم ہین ہم — وےلے علم نافع سے محروم ہین ہم
کُھلا اہل یورپ پہ یہ راز پہلے — بتاؤ تھے کس کے یہ انداز پہلے
غرض مُلک مین آخر انگریز آئے — بزور لیاقت جلو ریز آئے
پھر آئے تو ہر طرح سے غیر تھے ہی — علاوہ برین مذہبی بَیر تھے ہی
خدا نے تو دو اک جگہ لا بسائے — مگر ایک سے ایک ملنے نہ پائے
اگر اُن سے شیر وشکر ہو کے رہتے — تو کیون آج کو یہ تکالیف سہتے
ہنر سیکھتے خوب دولت کماتے — مزے کرتے گھر بیٹھے بغلین بجاتے
مسلمان اوہام مین مبتلا تھے — رہ ورسم دنیا سے ناآشنا تھے

تعصب کی گہری گھٹا چھا رہی تھی
تباہی پڑی سر پہ منڈلا رہی تھی

کہ دریاے رحمت کو پھر جوش آیا
ہمین مین سے اک شخص کو ہوش آیا

تو دیکھا کہ بیٹا ہے یا کوئی باوا
ہے بگڑا ہوا سارا آوے کا آوا

نہ پہلے ہی ہشیار تھے اور نہ اب ہین
شراب تغافل سے بدست سب ہین

جگر جل گیا دل مین اک درد اُٹھا
کمر باندھ کر باد م سرد اُٹھا

علی گڑھ مین آخر کو کالج بنایا
سماجت سے روٹھے ہوؤن کو منایا

بہت ڈوبتون کو لگا یا سہارا
بڑا آیا افسوس جلدی سدھارا

ہو سید پہ رحمت پہ رحمت خدا کی
کہ اسلام کی شرط خدمت ادا کی

بہت کچھ ہوا پر ضرورت سے کم ہے
اسی کا تو سید کے چیلون کو غم ہے

ہے ہر ایک کے آگے دست گدائی
یہان تک کہ نوبت تمھاری بھی آئی

اگر تم تک آکر نہ ہو کام پورا
ہو دنیا مین اسلام بدنام پورا

یہ پودھا ابھی اس کا نشو و نما ہے
اُسے آبیاری کی حاجت سوا ہے

بس اب کہنے سُننے کا قصہ چکاؤ
جو کچھ ہو سکے ہمکو دوا ور دلاؤ

مندرجۂ ذیل نظم مولانا نے بمقام رام پور اسٹیٹ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء کے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس مین پڑھی تھی۔ نظم کی تمہید مین فرماتے ہین "پارسال ان ہی دنون کلکتے کی کانفرنس مین بھی مین نے اپنا لکچر نظم سے شروع کیا تھا۔ مین اسی طرح کے مجامع مین پکار پکار کہہ دیتا ہون کہ مین شاعر نہین ہون۔ یہان تک کہ مین نے ابتک اپنے لیے کوئی تخلص بھی نامزد نہین کیا نہ مجکو شعر گوئی کا شوق ہے اور نہ سلیقہ۔ مگر وہ جو کہتے ہین کہ "رانڈ تو بیٹھنا چاہتی ہے مگر رنڈوے نہین بیٹھنے دیتے"۔ جب جب کوئی صاحب مجھے لکچر دینے کے لیے بلاتے ہین۔ اور بلانیوالے تو بہت ہین۔ اس لیے کہ انجمنون اور سالانہ

جلسون اور لکچرون کا تو دربا کھل پڑا ہے - مگر مین اپنے لکچرون کی ہوا نہین اکھڑنے دیتا گلیون گلیون کام بڑھئی کام بڑھئی پکارتا پڑا پھرون گنتی کے چند مقامات ہین جن مین چارونا چار شریک ہونا پڑتا ہے - انہین سب سے زیادہ سخت گیر اور شدید التقاضی یہ کانفرنس ہے ؎ رشتہ در گردنم افگندہ دوست ٭ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست ٭ غرض جب کوئی صاحب لکچر دینے کے لیے بلاتے ہین ادبدا کر نظم کی فرمائش ضرور کرتے ہین - خدا جانے انکو شاعری کا مُنھ چڑھانے مین کیا مزہ ملتا ہے - اگرچہ دوستون کے جبر سے مین نظم کہکر لاتا ہون لیکن ؎ راست میگویم و یزدان نہ پسندد جز راست ٭ حرف ناراست سرودن روش اہرمن است ٭ میری طبیعت نظم کیطرف سے ہرگز صاف نہین - اور مین اس مشغلے کو صمیم قلب سے ناپسند کرتا ہون -

(۴۲)

الٰہی دے مسلمانون کو توفیق مسلمانی / کہ پھر آجائے کشتِ مُردۂ اسلام مین پانی
دلونمین اُنکے اپنی مہر سے ایسا تصرف کر / وہی جیسا کیا تھا وقت قرن اول و ثانی
عرب کے دو قبیلے اوس و خزرج کتنی مدت تک / رہے اک دوسرے کے تشنۂ خون دشمن جانی
پڑھائی جب اُنھین اسلام نے پٹی اخوت کی / تمامی رنجشین تھین درپس دیوار نسیانی
عناصر جو تھے ضد یک دگر از ہم جدا ہو کر / بنے قومی جسد کے واسطے اعضاے انسانی
بظاہر منفرد ہین دست و پا و چشم و سر لیکن / تمام اعضا مین ہر اک اندرونی ربط پنہانی
اگر اک رونگٹا بھی مبتلاے درد ہوتا ہے / تو ہے سارے بدن کو بیقراری اور پریشانی
ولیکن ہمکو تمکو قوم و قومیت سے نسبت کیا / مسلمان گور مین ہین اور کتابون مین مسلمانی
باہن نا اتفاقی جو مسلمانون مین واقع ہے / انھین اک قوم کہنا ہے سراسر جہل و نادانی
غرض ہوتی ہے کوئی مشترک تب قوم بنتی ہے / یہان اغراض اگر ہین بھی تو ہین اہوا نفسانی
لغت والون نے انسان کو لکھا ہی اُنس سے مشتق / محبت ہے تقاضاے سرشت طبع انسانی

نہیں انسان پر موقوف اُس خلاق اکبر نے
اسی منہج پہ رکھی ہے اساس عالمِ فانی

تمام اجسام ارضی اور سماوی خلق کیا ہیں؟
بس اک جا مجتمع ہیں چند اجزائے ہیولانی

اسی سے ہے ثبات بندش شیرازۂ دنیا
یہی ہے زندگانی اور یہی ہے روح حیوانی

بدن سے باد و خاک و آب و آتش کا جدا ہونا
اسی کا نام مرنا ہے بہ سختی یا بآسانی

عناصر قوم کے ما و شما جب کشمکش میں ہون
حیات قوم کی کس طرح ممکن ہے نگہبانی

مسلمانوں کی بھی اک قوم تھی سو مٹ گئی کب کی
اب اُسکا ذکر کرنا بھی ہے گویا مرثیہ خوانی

پڑے ہیں بس کہ حالات اُنکے تاریخی کتابوں میں
مگر آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ شکلیں اُنکی نورانی

خدا رحمت کرے انسان کامل کے نمونے تھے
فضائل اُنکے ثابت ہیں ز روئے نص قرآنی

یہی مشتے ضعیفان قوی دل متفق ہو کر
ہوئے تھے چار دانگ سطوت اسلام کے بانی

نہیں امکان کسی سے ہو سکے ایثار اُنکا سا
کیے ہیں آپ فاقے بھائیوں کی کر کے مہمانی

جناب مرتضیٰؓ اکبار روزوں کے مہینے میں
طعام شب پہ بیٹھے تھے کہ آیا کوئی زندانی

پکارا یا علیؓ بھوکا ہوں دلواؤ جو حاضر ہو
کھلا کر اُسکو بھوکے سو رہے با خندہ پیشانی

پھر ایسا ہی ہوا ہی دوسرے اور تیسرے دن بھی
یتیم آیا ہے یا مسکین برائے لقمۂ نانی

کیے شیر خدا نے تین فاقے متصل پیہم
اگر خواہی بگرد او رسی ز نہار نتوانی

سُنی ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی یہ کیفیت
بہت خوشحال تھے اور مال کی بھی تھی فراوانی

دیے راہ خدا میں خرچ کرتے کرتے آخر کو
بجائے تکمہ تھے ملبوس میں خار مغیلانی

غرض رنگین برنگ صبغۃ اللہ سب کی وردی تھی
عقائد میں ارادوں ہمتوں میں سب کے یکسانی

ہمارے علم میں اُنکی ترقی کا یہی گر تھا
شجاعت اسکو سمجھو یا اسے تائید ربانی

ہر اک فرد بشر انمیں تھا اپنی قوم پر قربان
سمجھ رکھا تھا حب القوم کو اک جزو انسانی

مگر جب دخل پایا قوم میں نا اتفاقی نے
گئی گزری ہوئی ساری جہانگیری جہانبانی

اب اُن باتوں کو کر کے یاد کیوں آزردہ خاطر ہو
مقدر ہوتے ساتے کس لیے کھینچیں پشیمانی

تسلی کو دلِ غم دیدہ کی یہ نکتہ کیا کم ہے — کہ وہ بھی چھانو تھی برسات کی جو آئی اور جانی
مبارک ہین وہ دل تسکین ہوتی ہے جنھین اس سے — نہ انکو فرحتِ بہبود ہے نے رنجِ نقصانی
مگر ہم کس طرح سمجھائین اپنے نیچری دل کو — ملی ہے جسکو اسباب و علل کی حق سے نگرانی
پڑھا ہے لیس للانسان الا ما سعی جب سے — نہین ہوتا ہے بے تدبیر اطمینان روحانی
دیے ہین دست و پا کوشش کو اور کسبِ معیشت کو — نہ پھر آنکہ مقعد بن کے بیٹھے سبحہ گردانی
جسے ہے تقویت لا تقنطو من رحمۃ اللہ کی — وہ کیون لانے لگا دل مین خیالِ یاس و حرمانی
یہ مانا بہہ گئے پانی وہ اسلامی سمندر کے — کہ جنکی وجہ سے رہتی تھی ہر قت اسمین طغیانی
محال عقل ہے اسلام مین اگلی سی رونق ہو — بلا سے گر مقدر مین نہین ہے اپنے بریانی
پر اسکے واسطے چندین شرائط ہین کہ بے انکے — توقع کامیابی کی ہے اک بے صرفہ حیرانی
کرو موقوف دینی کش مکش غیرون سے اپنون سے — کہ بحثِ مذہبی ہے سر بسر اغوائے شیطانی
کسی کے دین و مذہب سے غرض کیا ہمکو مطلب کیا — یہودی ہو کوئی اپنی طرف سے یا کہ نصرانی
تعصب ہے مگر طاعون عالم گیر بے درمان — کہ اسکے پیچھے عقلین ہو رہی سب کی دیوانی
بفکرِ دیگران ہین احتسابِ نفس سے فارغ — کہ گویا ہو چکا جنت کا ٹھیکہ ان کو ارزانی
تعصب کی بدولت ہی ہم اس نوبت کو پہنچے ہین — تڑپتے تشنہ لب ہین بر کنارِ آبِ حیوانی
بچھے الوانِ نعمت کے ہین خوان اور عام دعوت ہے — مسلمانون نے خود اپنے گنون سے لی مگس رانی
خدا نے جنکو دی ہین کنجیان دولت کی عزت کی — انھین اب تک ہے انسے اجنبیت اور گریزانی
ہوا رنگِ تعصب دور جب آئینۂ دل سے — تو پھر شرطِ وجودِ قوم ہے ترکِ تن آسانی
اگر افراد مین ہو قوم کے یون یک دلی پیدا — انا السلطان پکار اٹھے فلانی اور بہانی
غرض جسکے لیے قومی جماعت کی ضرورت ہے — ہے ان فنون مین تعلیمِ علومِ انگلستانی
نہ سیکھا جس نے انکو زندگی کا کیا مزا پایا — نہ جانا جس نے انکو اسنے قدرِ علم کیا جانی
کہانتک روئیے اور کس کے آگے روئیے دکھڑا — کہ فرصت کم اور اپنی داستانِ غم ہے طولانی

سُنین جتبنا سُنا وُ پر نہ پونہچین اصل مطلب کو — طبیعت کیا دکھاے نہ اک تھا اپنی جولانی
تم اپنی نثر لو اور نظم کو چھوڑو نذیر احمد — کہ اسکے واسطے موضوع ہین حالی[۱] و نعمانی[۲]

مندرجہ ذیل نظم مولٰنا نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے بیسوین اجلاس مین پڑھی تھی

(۴۳)

خدا نے ہم کو بتاۓ ہین پانچ مصرف خیر — کہ مستحق کرامت یہ پانچ ہین لا غیر
ہے والدین کا حق سب حقوق پر غالب — محل حیف ہے مان باپ خیر کے طالب
ہو تو سعید تو کیون ہو سقیم حال اُن کا — اُنھین کا تو ہے ترا مال بھی ہے مال اُنکا
تو اُنکی فرع ہے اصل وجود ہین مان باپ — بڑا ہوا ہے کوئی پل پلا کے آپ سے آپ
اُنھین سے پایا ہی ہستی نے تیری نشو و نما — بس ایک ذات خدا ہے کہ جسکے باپ نہ ما
اُٹھاۓ رنج بہت تا کہ تجھکو راحت ہو — تجھے ہو پہلے کسی اور کو ہو یا مت ہو
تو زیر منت احسان والدین کے ہے — بس اُنکا دینا بجاۓ اداے دین کے ہے
پھر اُنکے بعد دوم نمبر اقربین کا ہے — یہی طریق سخاوت مین اہل دین کا ہے
پر اقربین کے بھی مختلف مدارج ہین — نہین کہ جن سے قرابت نہین وہ خارج ہین
کسی کے دل مین اگر اُنس اور مروت ہے — تو پاس مذہب اسلام بھی اخوت ہے
گزر کے دین سے پھر داعیہ وطن کا ہے — تو اِس حساب سے دُہرا حق انجمن کا ہے
علاوہ اِس کے دلیل مزید استحقاق — یتیم خانہ ہے منصوص مصرف انفاق
ہے چوتھے درجے مین مسکین پھر مسافر ہے — صف حقوق مین حق اِسکا سب سے آخر ہے
کسی کو دینے دلانے کا ہو اگر مقدور — تو اُسکو چاہیے ترتیب کا لحاظ ضرور
بعید کا نہین کچھ حق قریب کے ہوتے — امیر کا نہین کچھ حق غریب کے ہوتے

ا و ۲ شمس العلما مولوی الطاف حسین صاحب حالی - اور شمس العلما مولٰنا شبلی نعمانی مراد ہین - ۱۲

گر آپنے دینے مین نامستحق کو دو ترجیح — تو ایسے دینے سے حقدار پہ ہے ظلم صریح
ذرا سی بھول مین سب ہو گیا حساب اُلٹا — گئے ثواب کمانے ملا عذاب اُلٹا
خدا کا مال ہے تم اُسکے ہو امانتدار — تو جسکو وہ کہے پونہچا دو اُسکو بے تکرار
تم اپنی رائے کو دو دخل تمکو حق کیا ہے — پڑھو قرآن کی آیت پر ورق کیا ہے

مندرجہ ذیل دو نظمین ہمین مولوی بشیر الدین احمد صاحب خلف الرشید مولٰنا ممدوح نے عنایت فرمائی ہین۔ مولٰنا نے یہ نظمین محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے لیے تصنیف فرمائی تھین۔ مگر پڑھنے کی نوبت نہین آئی اور اسیوجہ سے ابتک شایع نہین ہوئین مولوی بشیر الدین احمد صاحب ایک ردی کاغذات دیکھ رہے تھے۔ اُنہین یہ جواہر پارے ملے۔ ان نظمون کے مسودے خاص مولٰنا کے ہاتھ کے تھے۔ بہرحال یہ دو غیر مطبوعہ نظمین بھی ہدیہ ناظرین کیجاتی ہین۔

(۴۴)

اللہ اللہ کیا غضب ہے انقلاب روزگار — یعنی وہ اسلام جو تھا منبع عز و وقار
جسکے پیرو تھے مجامد مین مقدم پیش پیش — سب مین افضل سب سے فائق سب سے بہتر کامگار
وا دریغا اب وہی اسلام ہے جنکے خواص — ہین عوام الناس کی نظرون مین بے توقیر و خوار
عالم اسباب ہی دنیا۔ نہین اسمین کلام — بے سبب ہرگز نیاید ہیچ شے بر روے کار
بس مسلمانون کی اس تغییر حالت کا سبب — کچھ تو ہے آخر سمجھتا ہے اسے ہر ہوشیار
بعد تعین سبب پھر سوچنا یہ ہے کہ ہے — اس سبب پر ہمکو تھوڑا یا بہت کچھ اختیار
یا ہمارے نیک و بد مین ہمکو دخل کچھ نہین — جو ہوا جو ہوگا سب کا ہے مقدر پر مدار
بس وہ باتین ہین جن پر سید احمد صاف صاف — ق — خلوت و جلوت مین در پردہ بظاہر آشکار
جب تلک جیتا رہا کہتا رہا ایک ایک سے — لیک سر بر قوم کے جن تھا جہالت کا سوار
ایسی باتون سے نہ تھے کان اُنکے مطلق آشنا — سنتے ہی نکلین تعصب کی بھڑین سب ایکبار

بچہچی اگر ڈنک ایسے زور سے مارے کہ چھید ہو گئے سینے کے دل کے اور جگر کے آر پار

کفر کے فتوے لکھے جانے لگے بالاتفاق دھمکیون اور گالیون کا ہو گیا مشکل شمار

دفعۃً اسلامیون مین کھلبلی سی مچ گئی آگ سی اک لگ گئی پنجاب سے تا بہار

دیکھ کر سید پہ اعدا کا باین کثرت ہجوم پھر گئی آنکھون مین اپنے کربلا کی کارزار

پر وہ نانا کا تھا اپنے واقعی خلف رشید درد سے امت کے ہر دم مضطرب و بیقرار

آخری دم تک وہ اپنی بات پر قائم رہا تھی وفا اُسکی سرشت اور عہد اُسکا استوار

اُسکو اپنی رائے پر تھا کامل اور محکم وثوق کامیابی اُسکو ہونی تھی ہوئی انجام کار

اُسنے ثابت کر دکھایا روز روشن کی طرح یہ کہ اب تعلیم پر بہبود کا ہے انحصار

علم دولت علم حشمت علم طاقت علم زور علم لشکر علم خنجر ـ علم تیغ آبدار

علم ہے فوز و فلاح و دین دنیا کا کفیل علم سے ہے تہذیب اور شایستگی کا ذمہ دار

علم ہی سے ہے صیقلِ آئینۂ فہم و ذکا علم ہی سے ہے گلشن اقبال ہندی کی بہار

ہاے وہ سارے مسلمانون کا سچا خیر خواہ ہاے وہ سارے مسلمانون کا یکا دوستدار

ہاے وہ ہمسے مریضون کا طبیب دردمند ہاے وہ ہمسے ضعیفون کا رفیق غمگسار

ہاے وہ جو تھا غم اسلام سے ہر دم ملول ہاے وہ جو درد سے تھا قوم کے سینہ فگار

ہاے وہ جو تھا رعایا کا وکیل مؤتمن ہاے وہ سرکار مین تھا جسکا پورا اعتبار

اُسنے دیکھا وقت نکلا جا رہا ہی ہاتھ سے اور نہین ہے قوم کو احساس اُسکا زینہار

سب کے سب مستِ مئے پندار ہین پیر و جوان احمقون کو مہدی موعود کا ہے انتظار

یہ سمجھتے ہین کہ ہے بیمار اچھا تندرست اور مریض جان بلب ہی مبتلائے احتضار

کچھ نہین کرتے نہ کرنا چاہتے ہین چاؤ سے چھوڑ بیٹھے ہین مقدر پر سب اپنا کاروبار

کوئی جوتے کوئی بوٹے کوئی پیسے اور پکائے یہ نگل لین تھو رلین چپ چاپ کر لین زہر مار

فخر کرتے ہین ٹرون پر اور خود نا اہل ہین جیسے ہو سرگین کو نازِ گیاہِ سبزہ زار

سارے الزامون کی مذہب کو بناتے ہین سپر
کرتے ہین اسلام کو بدنام ناحق نابکار

اس عموم گمرہی مین سید احمد کا ظہور
تھا بظاہر انتعاش رحمت پروردگار

اولا اسپر ہوے دینی حقائق منکشف
ورنہ تھے اوہام باطل ہستی کے پردہ دار

کس دیا تھا ظالمون نے دین کا پیچ اسقدر
سخت مشکل تھا کہ ہو دنیا مین کوئی دیندار

اے عجب سمجھا نہ کوئی اصل مطلب - گرچہ سب
کرتے ہی رہتے ہین قرآن کی تلاوت بار بار

اُسکے سمجھانے سے اب سمجھے کہ دین کیا چیز ہے
خواہ اُسے اسلام کہہ اور خواہ اُسے فطرة پکار

خود مرنج و ہم مرنجان زندگانی بسر کر
یعنی امن و عافیت کے ساتھ وقت اپنا گزار

ہے تلطف اور مدارا دین کا لب اللباب
جس کی ہے تفسیر شرع امر و نہی گیر و دار

ترک دنیا رو کے دنیا مین محال عقل ہے
فرق بین ہے میان اختیار و اضطرار

گو غلط ہو وہم ہو وسواس ہو مذہب تو ہے
اُٹھ نہین سکتا کسی صورت سے اسکا اقتدار

پس مسلمانون سے دنیا کی طلب حق الطلب
تھا بہانہ دود کی ندی درون کوہسار

پر علیگڈھ مین کہ ہی ہندوستان کو جس سے فخر
پا چکا ہے نام جس کا ملکون ملکون اشتہار

بہہ رہا ہے علم کا دریا بہ از شیر و عسل
آب آب زندگی شیرین و صاف و خوشگوار

شاہ راہ منزل مقصود اصلی مل گئی
اب نہ پھر جانا کہین سمت یمین سوے یسار

دین اور دنیا مین ہی جون شیر و شکر امتزاج
منتج اسلام ہے دونون کا کسر و انکسار

گر مسلمانون تمھین دنیا مین رہنا ہے بخیر
پس اسی تعلیم کو فی الفور کر لو اختیار

یہ وہی تعلیم ہے جو مقتضاے وقت ہے
کون رو کے وقت کو رستم ہو یا اسفندیار

علم کا کعبہ ہے اسمین گھومنا پھرنا طواف
دوڑنا ہے سعی اور فٹ بال ہی رمی الجمار

جامہ احرام ہے نکٹائی اور پتلون و کوٹ
سر برہنہ مثل محرم گر نہین فز کی سہار

ایضاً نظم دیگر

(۴۵)

ہمین تو یاد ہے اچھی طرح وہ روز سعید
جنا تھا مادر کالج نے جب ولید رشید

ولید کیا جسے کہتے ہین لوگ کانفرنس
نصیب یاور و اقبال یار عمر مدید

شروع ہی سے تھے آثار اوج اسکے عیان
شروع ہی سے تھے اطوار نیک اسکے پدید

جب اسنے دیکھا کہ مان روٹیون کو ہی محتاج
غذا نہو تو کہان سے ہو دودھ کی تولید

نکل کھڑا ہوا بچپن سے بہر کسب معاش
کہ بے معاش کے تھی زیست از قیاس بعید

شریف پیشہ تعلیم اختیار کیا
کہ علم مخزن دنیا و دین کی ہے کلید

بجا ہے اسکو اگر سلطنت کہین فی الاصل
شہان روے زمین رب کے سب ہین اسکے عبید

عجیب سحر ہے اس شیخ کی توجہ مین
ہزارون ہو گئے اور ہو رہے ہین اُسکے مرید

حصول علم بھی اک طرح کی خدائی ہے
لِاَنَّہٗ صفۃٌ مِن صفات رب حمید

اگرچہ علم بہ از جہل ہے زبان زد خلق
مگر مُراد مری علم سے ہے علم مفید

بس اک کسوٹی ہے کس لو علوم کو اپنے
کہ اک نگاہ مین ہو منکشف سیاہ و سفید

کلین ہزار ہا اقسام کی کہ جن کی نظیر
بہ چشم و گوش کسی پر نہ دید ہے نہ شنید

قوی ہوے ہین ضعیفون سے اسقدر مرعوب
کہ باز سوے کبوتر نمی تواند دید

وفور آب سے نہرین روان ہین یہ بدیہ
زمین شور مین کیا لہلہا رہی ہے خوید

ثبوت ہین سائنس کے تفوق کا
ہین ریل و تار کے دو معجزے بلا تردید

یہ سب نتائج تعلیم علم نافع ہین
وگرنہ کون سا ایسا ہی ائین وصف مزید

ہی انکو علم کا بل کس مین اتنی طاقت ہے
کہ انکے ہاتھ مین ہے نرم مثل موم حدید

بلا مبالغہ ہندوستان ہے رشک جنان
اسی لیے ہے یہ سب اہتمام اور تمہید

عجیب نظم و نسق ہے فرنگ کی ایجاد
نہ اتباع کسی کا نہ غیر کی تقلید

مفادِ خلق مین اپنی بھی منفعت مضمر / معاقدین کو نافع فروخت ہو کہ خرید

کبھی کسی کو میسر ہوا ہے دنیا مین / یہ امن اور یہ آرام اور عیش رغید

ہمارے علم مین دنیا سے بے تعلقی محض / کہ زندگانی دنیا ہے اور علوم جدید

نہ واقعات مین ہم مین کسی کو عادت فکر / تمام قوم کے اذہان ہو گئے ہین بلید

تمام کام غلط در غلط نہ غور نہ خوض / نہ عقلِ مصلحت اندیش اور نہ رائے سدید

اگر ہو گوش نصیحت شنو تو کرتا ہے / زمانہ آپ باصرار علم کی تاکید

مگر مجھے تو یقین ہے کہو گے گھر جا کر / بخورد مغز حریفان و حلقِ خود بدرید

انجمن حمایت اسلام کے پندرہوین سالانہ جلسہ مین شمس العلما مولانا نے مندرجۂ ذیل نظم اپنے لکچر سے پہلے حسب معمول پڑھی تھی۔

(۴۶)

ابتدا کے ساتھ کچھ نسبت نہین انجام کو / دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا اسلام کو

اپنے ہی ہاتھون بگڑتے اور بنا کرتے ہین لوگ / کوس لے جو چاہے ناحق گردش ایام کو

پھر بھی اسکے روبرو ہونے کی کچھ امید ہے / صبح کو بھولا ہوا گر لوٹ آئے شام کو

عمر گزری ہے مصیبت جھیلتے کیا جانین ہم / لذتِ عیش و فراغ و راحت و آرام کو

دور ہے اس سے وصولِ منزلِ مقصود جو / آر کھائے اور نہ سرکائے جگہ سے گام کو

دیکھتے ہین اور انہو نے سامنے موجود ہین / پر نہین ہے گدگدی اُنکے دلو نہین نام کو

دل نہین پتھر ہین یا پتھر سے بڑھ کر صعب و سخت / جنکے ٹکڑے اُڑ نہ جائین دیکھ کر ایتام کو

عاجز و بیکس کہ آنکھین کھول کر دیکھا نہین / باپ کو دادا کو نانا مامون اور اعمام کو

دام ہین دامِ بلا جنکا تمامی جمع و خرچ / چل کے سمجھانا پڑے گا قادرِ علام کو

راہ حق مین خرچ کرنے سے کیا جسنے دریغ / اور پکایا جمع دولت کے خیال خام کو

آتشِ دوزخ مین زر کو گرم کرکے بالیقین
داغ دینگے رو د پشت و پہلوے اجسام کو

ہم مسلمانون سے یورپ نے لیا تھا علم قرض
کیون نہین لیتے ہو واپس ایسے اپنے دام کو

یہ بھی کوئی زندگی ہین زندگی سے ہے تا بکے
صبح کو مل بھی گیا گر کچھ تو فاقہ شام کو

ہو مشید پر عمارت سے کہین چلتے ہین نام
جانتا ہے کوئی نامِ بانیِ اہرام کو

ہو نہین سکتا کہ دنیاوی ترقی ہو نصیب
ہان مگر دل سے مٹادو مذہبی اوہام کو

دولت و حشمت ہی بام اور علم اُسکی نردبان
نردبان شرط ضروری ہے وصولِ بام کو

آدمی بے علم گویا صورتِ بے جان ہے
کیا ہوا گر آنکھ سے تشبیہ دی بادام کو

آپ اپنے دین کو کرتے ہین رسوا اور ذلیل
جو بجا لاتے نہین خود شرع کے احکام کو

جب نہ سمجھین قوم کے لکھے پڑھے با عقل و ہوش
دیجیے الزام کیا جہال کالانعام کو

سلطنت سے روم کی کر کرکے اظہارِ خلوص
بدگمان کرتے ہین بے مطلب لِ حکام کو

سہل نسخہ ہی ہلا کر اک ٹکے بھر کی زبان
گرم جولان کرکے سرپٹ توسنِ اقلام کو

الغرض باتین خوشامد کی بنا کر جھوٹ موٹ
معتقد کر لیجیے فی الجملہ خاص و عام کو

پر ٹکون سے گر مدد کرنے کا وقت آ ئے تو پھر
خوف سے دینے کے بھاگین نوکِ دُم آسام کو

پر سچ کہا ہے بد سے بدبدنام عند الاشتباہ
بے کیے مجرم بنا دیتے ہین سب بدنام کو

پھینک مت کنکر نہین گر تجکو پتھر کی سہار
سخت مت کہہ سُن نہین سکتا اگر دشنام کو

نامور رہتے ہین دائم طعنِ مردم کے ہدف
کیون لگا کہنے کوئی اچھا برا گمنام کو

کیا تعجب ہے گر ابنائے زمان نبوا چلین
کوٹ پتلون قطع کرکے جامۂ احرام کو

دین و دنیا انجمن نے جمع کر دکھلا دیے
ہم نے اب سمجھا محل و موقع ادغام کو

انجمن نے ابتدا تو کی ہے کار نیک کی
ہمت اے مردان کہ پہنچے مدعا اتمام کو

اجر نقدِ وقت ہے جانے نہ پائے ہاتھ سے
ورنہ جس کا کام ہے کرتا ہے اپنے کام کو

اب ہم ذیل میں چند عربی قصائد اور تاریخیں اور متفرق فی البدیہہ اشعار مع ترجمہ نقل کرتے ہیں یہ بات مسلّم ہے کہ جس طرح مولٰنا اردوئے معلّی پر قادر ہیں اسی طرح وہ لسان عربی پر بھی قادر ہیں اور اگرچہ یہ دعوے مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہو تو اس سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آج اہل ہند میں اُن کا کوئی مدّ مقابل نہیں جو عربی علم ادب میں اُن سے بازی لے جا سکے۔ اصحاب بصیرت کو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مولانا کے مطالب کا دائرہ حیقمنی کے ذہنی حسنِ بلاغت اور متنبی کی دماغی خوبی فصاحت سے وسیع اور بالاتر ہے جو ہمارے قلم کی زبان سے بیان نہیں ہو سکتا۔

قصیدہ بتعریف سر ولیم میور صاحب بہادر لفٹنٹ ممالک مغربی و شمالی

(نمبر ۱ نظم)

تمنیتُ انّ القلبَ کانَ لسانی / یبوحُ بسرٍّ تحتویہِ جنانی
فانّی اذا ما رمتُ اظہارَ شکرکم / تقصّرُ عنہُ منطقی و بیانی
ولم ارَ قبلی قطُّ من نالَ غایۃً / تخلّفَ عنہا اہلُ کلِّ زمانِ
ایلاطفہُ بحرُ الندیٰ و عبابُہُ / ویکرمُہُ لیثُ الوغیٰ و طعانِ
دعانی فادنانی و اعلیٰ محلّتی / واجلسنی من قربہِ بمکانِ

میری آرزو یہ ہے کہ میری زبان کی جگہ میرا دل ہو اور جو راز میرے دل میں ہے اُس کو ظاہر کرے جب میں تمہارے شکر کے اظہار کا قصد کرتا ہوں تو میری گویائی اور میرا بیان کوتاہی کرتے ہیں میں نے اپنے آپ سے پہلے کبھی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو ایسی حد کو پہنچا ہو جس کے ہر ایک زمانے کے اہل پیچھے رہ گئے ہوں اور اس سے سخاوت کا سمندر مہربانی سے پیش آیا ہو اور جنگ اور نیزہ زنی کے شیر نے اُس کا اکرام کیا ہو مجھکو بلایا پھر مجھکو پاس بلایا اور میرا مرتبہ بلند کیا اور اپنے قرب سے مکان عزت میں مجھکو جگہ دی

وَزَوَّدَنِيْ مَا اَنْ تَنُوْءَ بِعُصْبَةٍ — اُولِي قُوَّةٍ نُهْلٍ اَشَقَّ عَوَانِ
نُقُوْدِيْ فَلِيْ فِي اَلْفِهٖ اَلْفُ حَاجَةٍ — قَضَاءُ دُيُوْنٍ وَّانْفِكَاكُ رِهَانِ
وَغَيْرُهُمَا مَالَا اَكَادُ اُعِدُّهَا — وَذَا سَاعَتِيْ صِيْغَتْ مِنَ الْعِقْيَانِ
اُقَلِّدُهَا جِيْدِيْ لِيُعْلَمَ اَنَّنِيْ — لِسِرْ وِلْيَمْ فِيْ رِبْقَةِ الْاِحْسَانِ
تُنَادِيْ بِاَعْلٰى صَوْتِهَا اَنَّ فِي الْوَرٰى — لِسِرْ وِلْيَمْ اُحْدُوْثَةَ الْاِحْسَانِ
بِاَيِّ ثَنَاءٍ اَسْتَخُصُّكَ مَادِحًا — وَلَا بُدَّ لِلتَّخْصِيْصِ مِنْ رُجْحَانِ
بِعِلْمٍ وَّحِلْمٍ اَمْ بِاَصْلٍ وَّمَحْتِدٍ — يُرٰى تَحْتَهُ الْعَيُّوْقُ وَالْقَمَرَانِ
وَحُسْنِ ظِبَاءٍ فِيْ مَهَابَةِ ضَيْغَمٍ — وَعَدْلٍ لَهٗ يُزْرِيْ بِنُوْشَرْوَانِ
وَهَبْنِيَ اَسْتَقْصَى الثَّنَاءَ لَوَ اَنَّنِيْ — رِمَالَ الْفَلَا اَحْصَيْتُهَا بِبَنَانِيْ
وَبِالْمَجِيْ وَاشْتِيَاقٌ يَحُثُّنِيْ — عَلَى الرَّكْضِ وَالْاِسْرَاعِ وَالرَّدَيَانِ

اور مجکو اتنا توشہ دیا کہ اس کو مضبوط اور قوی اونٹ نہ اُٹھا سکیں۔

یہ میرے نقد روپے ایک ہزار جن سے میری ہزار حاجتین متعلق ہیں ادائے قرض اور فک رہن

اور اِن کے سوا جن کا شمار نہیں اور یہ میری سونے کی گھڑی۔

اِس کو میں اپنی گردن میں لٹکاؤں گا تاکہ لوگون کو معلوم ہو کہ میری گردن سر ولیم کے احسان میں بندہی

یہ گھڑی بڑے زور سے پکار رہی ہی کہ سر ولیم کے احسان کا چرچہ لوگون میں ہی۔

کس تعریف کیجے ساتھ میں آپ کو مدح کے لئے خاص کردن اور تخصیص کے لئے کوئی وجہ ترجیح چاہیئے

علم کی تعریف کرون یا حلم یا اصل و نسب کی جو اِس قدر بلند ہی کہ عیوق ستارہ اور چاند اور سورج

بھی اس سے پست ہیں۔

اور ہرن کی سی خوبصورتی اور شیر جیسا رعب اور انصاف جس کے آگے شیرون کا انصاف ہیچ

اور فرض کیجئے میں نے آپ کی تعریف پوری کردی بشرطیکہ ریگ صحرا کو انگلیوں سے گن لیا ہو

میرا آنا بھی کیا ہی اچھا آنا تھا کہ اشتیاق نے مجکو تگ و دو پر برانگیختہ کر رکھا تھا

ذا الرِّيلُ عندي كانَ أبطأَ مَركَبٍ ... ويُسمّى عجزي عن الطّيرانِ
وأرجعُ لا عن رغبةٍ في فراقِكُم ... ولكنَّ غيري يقودُ عناني
أُساقُ بلا طوعٍ وقلبي يصدُّني ... ولي فيهما مشى كمشتبهٍ عاني
وإنّي شجاعٌ كلّ حومةِ الوغى ... ولكن عند الهجرِ كلّ جبانِ
كذالكَ قضاءُ اللهِ يعنو لهُ الفتى ... وإن كانَ لا يعنو لِو خرسانِ
ولي عملٌ في البندِ وبستٍ ومحنتي ... أكابدُها بالصبرِ منذُ ثمانِ
فهذ رُوائي وامتقعتُ تلوّنا ... وهذا امشيبي شبتُ قبلَ أوانِ
وفيكَ رجائي والرجاءُ معوّلي ... على ثقةٍ بالنجحِ والتكلانِ

(نمبر نظم)

بارَكَ اللهُ في الحجيجِ خصوصًا ... في أبي الخيرِ صاحبِ المكرُماتِ
ذُرَّ درُّ الذينَ حازوا اجرًا ... قد رمَا وسعوا من الخطواتِ

ریل کو میں سست ترین سواری سمجھتا تھا اور پرواز سے عاجز رہنے سے میں ملول تھا

اب میں یہاں سے لوٹ کر جاؤں گا مگر میں آپ کی مفارقت کا خواہاں نہیں ہوں مگر کیا کروں دوسرا مجکو کشان کشان لئے جا رہا ہے۔

اور میں لڑائی کے بھنور میں پورا بہادر ہوں مگر جدائی کے وقت بڑا بودا

یہ خدا کا حکم ہے کہ مرد کو اس کے آگے مطیع و منقاد ہونا پڑتا ہے اگرچہ وہ نیزوں کی بھال کا منقاد نہو

میں بند و بست میں محنت سے کام کر رہا ہوں اور آٹھ برس سے اس مصیبت کو صبر کے ساتھ جھیل رہا ہوں

تو یہ میری صورت ہے، میرا رنگ متغیر ہوگیا ہے اور یہ میرا بڑھاپا ہے کہ وقت سے پہلے بوڑھا ہوگیا ہوں

تم میری امید گاہ ہو امید پر مجکو بھروسا اور کامیابی پر اعتماد ہے

خدا حاجیوں میں برکت دے خصوصاً ابو الخیر میں جو بزرگیوں کے صاحب ہیں

ان لوگوں کو خدا جزائے خیر دے جنھوں نے بقدر وسعت اختیار اجر عاقبت جمع کیا

فو نفسی اُحبّہم حبّ صبٍّ — وأُحبّہم تمام حیاتی

ہو حِبّی وصاحبی واخی — فی اللہ لا بالحبل ود الامہات

لیتنی کنت فی جماعتہم — حین مضوا فی البلاد والفلوات

قاصدی البیت بیت عزّ وجلّ — حرم اللہ مہبط البرکات

ما لہم ینکرون ظلماً وبغیاً — اصرح الحق اوضح البینات

ہو وادٍ بغیر زرع وعشب — ثم یجبی الیہ من ثمرات

لعن اللہ منکری الدین وقد — حاق بہم مکرہم من السیئات

فسیأتیہم ولا شک فیہ — وعد ما استہزؤا بہ وسیاتی

قصیدہ در تعریف سر ولیم میور بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی

(نمبر ۳ نظم)

للہ دہری صاد روضاً ادہما — وجعلت منزل اصطہت جہنما

مجھکو اپنے سر کی قسم کہ میں اس کے ساتھ عاشقوں کی سی محبت رکھتا ہوں عمر باقی زندگی بھی اس سے محبت رکھوں گا

وہ میرا محبوب ہے اور رفیق ہے اور بھائی ہے دادوں اور ماؤں کے رشتے سے نہیں بلکہ خدا واسطہ کا بھائی ہے

حاجی لوگ جب شہروں اور جنگلوں میں ہو کر گزرتے کاش میں بھی اُن کی جماعت میں ہوتا

وہ لوگ عزت اور بزرگی کے گھر کی زیارت کے ارادے سے گئے وہ خدا کا رتبہ ہے وہاں برکات نازل ہوتی ہیں

لوگوں کا کیا حال ہے کہ ظلم اور بغاوت کر کے حق صریح اور دلائل واضحہ کا انکار کرتے ہیں -

وہ بے کھیتی اور گھاس کا میدان ہے باایں ہمہ دنیا کے پھل اُس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں

خدا منکر دین پر لعنت کرے اور بری تدبیریں اُن پر الٹ پڑی ہیں

اور کچھ شک نہیں جس چیز کی ہنسی اڑا رہے ہیں اُس کا وعدہ سزا ضرور اُن کو پیش آ کر رہے گا

چشم بد دور میرا زمانہ گھنا باغ ہو گیا ہے اور میں تو شروع سے اُس کو جہنم دیکھتا رہا ہوں -

سهلاً تطؤه اذا ضربت بجزئه — عسلاً تذوقه اذا تناول علقما

وترى المنية منية والجدب خصبا — والنوائب والصروف مسالما

والشمل جمعا والضغائن خلة — والحرب سلما والمضيق مراغما

اترعت نورا يا زمان فكدت تخطف — بالعيون وكنت ليلا مظلما

لا تنكروا واهن التقلب حيرة — لا تعجبوا من ذا التحول انما

هي حالة ايقنت قبل وقوعها — في الدهر لما امر واسر ولما

العالم الفطن اللبيب الاريحي — الحاذق الندس لا ريب الافهما

الاروع اللسن الهمام السيد — الحجاج ذي المجد المؤثل اكرما

الاوحد الملك الاغر الوجد — رحب الخلق مقدام الجواد الجهضما

قد كان والامر الذي قلدته — بالحق الا ما عليك محرما

اليوم عم الملك امن واستتب — لهم النظام مكملا ومتمما

اگر تو اس کی زمین سخت پر چلے تو اس کو نرم پائے گا اور اگر اس کا ایلوا کھائے تو شہد کا مزہ دے گا۔

موت آرزو سے بدل گئی ہے اور قحط ارزانی سے اور مصائب اور حوادث سازگار ہیں۔

اور جدائی وصل سے بدل گئی ہے اور کینے دوستی سے اور جنگ صلح سے اور تنگی کشادگی سے

اے زمانہ تجھ میں نور کی افراط ہو کیوں کہ اب تجھ سے آنکھوں کو چکاچوند ہوتی ہے حال آنکہ تو جب تاریک تھا

لوگو اس تبدیل حالت کو دیکھ کر حیر نکرو اور اس تغیر سے متعجب ہو۔ کیون کہ یہ ایسی حالت ہے کہ اس کے وقوع سے پہلے مجکو اس کا یقین تھا جب کہ سر دیم کو حاکم بنایا گیا

وہ عالم ہے دانش مند ہے عاقل ہے خندہ پیشانی ہے ماہر کامل ہے زیرک ہے صاحب فہم و فراست ہے

با ہیبت ہے حاذق ہے سردار ہے رئیس القوم ہے مستحکم بزرگی کا صاحب ہے بڑا سخی ہے

یگانہ روزگار ہے بادشاہ ہے روشن چراغ ہے وسیع الاخلاق ہے خطرناک مواقع میں سب کے آگے داخل ہونے والا ہے صاحب جود و سخا ہے اور داراے

یہ حکومت جو تم کو باستحقاق دی گئی ہے تمھارے سوا دوسروں پر حرام تھی۔ اب ملک میں امن عام ہے اور بندوبست مکمل ہو گیا

اليوم صار بنود دولة انگلشية	في البلاد مشيدًا مستحكما
طوبى بسلطنة تكون دبيرها	بشرى لملك كنت فيه محكما
كل المحامد كان فيك طبيعة	رسخت وفي من ما عداك تجشما
فسخاوة تزري بحاتم طيّ	وفصاحة تزري بن وائل ابكما
هذاك تهنية اهني بها	والناس طرًّا والزمان وعالما
واخص تهنية گورنر وبسراي	الهند في تلك البشارة سيما
مستظهرًا بك في الامور كمثل	موسى من اخيه فنفعه ما اعظما
فاذا تكافح كنت منصل سيفه	واذا تصافح كفه والمعصما
والعين منه اذا اهم بنظرة	واذا تكلم كنت انت له فما
طال المقال وليس ينفد وصفه	كثر الكلام ولما عد انجما
وهلم جرًّا لو لقيت اعدها	لم يمكن استقصاء مدحك دائما

۱ اب دولت انگلشیہ کی بنیاد شہرون میں محکم و مضبوط ہوگئی ہی

۲ خوش نصیب ہی وہ سلطنت جس کے تم ناظم ہو اور مبارک باد ہی اور ملک کے لئی جس کے تم حاکم ہو

۳ تعریف کی تمام باتین تمہاری طبیعت میں راسخ ہیں اور دوسرے لوگ ان کو بتکلف اختیار کرتے ہیں

۴ تمہاری سخاوت کے آگے حاتم طے کی سخاوت ہیچ ہی اور تمہاری فصاحت کے آگے سحبان وائل گونگا ہی

۵ اس مبارک باد کے ساتھ میں اپنی تہنیتین مبارکباد دیتا ہوں سب لوگوں کو اور زمانے کو اور جہان کو خصوصا گورنر ویسرائے ہند کو

۶ وہ تم سے سب امور میں مدد لیتے ہیں جیسے موسیٰ اپنے بھائی ہارون سے تو ان کا بڑا فائدہ ہی

۷ تو جب وہ شمشیر زنی کریں تو تم ان کی تلوار پھلڑا ہوتے ہو اور جب کسی سے مصافحہ کرین تو تم ان کی ہتیلی اور پہنچا

۹ اور جب وہ دیکھنا چاہیں تو تم ان کی آنکھ ہوتے ہو اور بولنا چاہیں تو تم ان کا منھ

۱۰ گفتگو دراز ہوگئی اور اس کی تعریف تمام نہ ہوئی بات بڑھ گئی اور میں ستارون کو گن نہیں پایا

۱۱ اسی طرح اگر میں اس کے محامد گنتا رہوں تو تمہاری مدح کا پورا کرنا کبھی بھی ممکن نہیں ہوگا۔

وَأَحَبُّ أَشْيَاءٍ إِلَيَّ لِذِكْرُهُ ‏ لٰكِنْ أَخَافُ بِأَنْ أُطِيلَ تَبَرُّمَا

بُورِكْتَ فِي هٰذِي الْعُلَى أَرْضَيْتَ ‏ فِيهَا النَّاسَ وَاللّٰهَ الْعَلِيَّ الْأَعْظَمَا

وَحَظِيتَ فِيهَا عِيشَةً مَرْضِيَّةً ‏ وَجَعَلْتَهَا لِذِي الْوِزَارَةِ سُلَّمَا

مرثیہ انتقال فرزند خود مسمّٰی ظہیر الدین احمد

(نمبر نظم ۱)

اِغْتَالَنِي آنًا هُوَ الْخَئُونُ مُغَيِّرًا ‏ مَا كُنْتُ أَحْسَبُنِي أُضِيعُ ظَهِيرًا

فَأَذَابَنِي هَمٌّ يُذِيبُ حَلَائِلًا ‏ وَأَصَابَنِي غَمٌّ يَدُكُّ صُخُورًا

لِنَهَارِنَا كُلَّ النَّهَارِ مُحَاوِرًا ‏ وَلِلَيْلِنَا قَبْلَ الْمَنَامِ سَمِيرًا

رُوحًا وَرَيْحَانًا وَنُزْهَةَ خَاطِرٍ ‏ لِلْعَيْنِ نُورًا وَلِلْفُؤَادِ سُرُورًا

اِبْنًا وَأُمْنِيَّةً وَأَطْيَبَ صَاحِبٍ ‏ يَا وَيْلَتَا فَقَدْتُ فِيهِ كَثِيرًا

رُبِّيتَ فِينَا كَيْ نُعِدَّكَ عُدَّةً ‏ لِلنَّائِبَاتِ فَكُنْتَ أَنْتَ دُهُورًا

---

۱ محبوب ترین اشیا میرے نزدیک ذکر ممدوح ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ طبع ممدوح ملول نہ ہو جائے

۲ اس بلند مرتبے میں خدا تم کو برکت دے کہ تم نے لوگوں کو بھی راضی کیا ہے اور خدائے برتر کو بھی۔

۳ اور تم کو پسندیدہ زندگی نصیب ہوا اور وہ زندگی وزارت کے لئے ترقی کا زینہ ہو۔

۴ مجھے زمانے نے یکایک مار ڈالا زمانہ بڑا خائن ہے میں خیال نہیں کرتا تھا کہ میں ظہیر کو ضائع کروں گا یعنی وہ مر جائیگا

۵ مجھے ایسے غم نے گھلا دیا ہے جو لوہے کو گلا دے اور ایسا غم پہنچا ہے جو پتھر کو چکنا چور کر دے

۶ وہ ظہیر دن کو تو ہم سے باتیں کیا کرتا تھا اور سونے سے پیشتر رات کو کہانیاں کہا کرتا تھا

۷ وہ ہمارے واسطے راحت جان اور موجب مسرت اور باعث شگفتگی خاطر تھا آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا

۸ میرا بیٹا تھا اور اس سے امیدیں وابستہ تھیں اور کیا اچھا ساتھی تھا ہلاکت ہو جیو میرے لئے اسکے مرنے سے میں نے بہت کچھ کھو دیا

۹ تو ہم میں پالا گیا تھا اس لئے کہ دفع مصائب کے لئے ہم تجھ کو ایک عمدہ سامان سمجھیں لیکن تو خود ہی ہمارے لئے ایک بڑی مصیبت ہو گیا

خابت فيك رجاءنا وغدرتنا ما كنت يا روحي بذاك جديرا
قد كنت تلعب بالتراب وخلته شيئا مجانا هينا ويسيرا
يا ليت شعري الآن حين كان ذا لك أم لهوا وخلت حقيرا
يا ليت أن الموت تقبل فدية تذر القليل بأن تحوز كثيرا
لبذلت نفسي غير مكترث بها شحا ولست على العيال قتورا
لو كان يشفي الدمع غلة غصة لأسلت من تلك المآق بحورا
لكن نار الحزن يسعدها البكا ويزيد قلبي لوعة وسعيرا
وقودها الأحشاء والعبرات زيتها قطرت من فوقها تقطيرا
خلفت أما قد تناهى ضعفها دنفا فما كانت تطيق زفيرا
لم يبق منها السقم غير حشاشة في أعظم متخليات ديرا
حملتها ألم الفراق كأنما كلفت ثهلان أن تقل ثبيرا

---

۱ ہماری امیدیں تجھ میں ناامیدی سے بدل گئیں اور تو نے ہم کو دھوکا دیا اور چھوڑ دیا جان من تو تو اس قابل لائق نہ تھا
۲ تو مٹی سے کھیلا کرتا تھا اور مٹی کو ایک رائگاں حقیر اور خفیف چیز سمجھا کرتا تھا۔
۳ ای کاش مجکو اس کا علم ہو کہ تو جو قبر میں داخل ہوا یہ بھی کھیل ہی یا سچ مچ
۴ ای کاش موت کچھ فدیہ لے کر تجھے چھوڑ دیتی تھوڑے کو چھوڑ کر یعنی تجھے چھوڑ کر بعوض اس کے بہت کچھ لے لیتی
۵ تو میں اپنے نفس کی بھی پروا نہ کرتا اور اُسے بلا بخل بخش دیتا اور میں اولاد کے لئے ممسک نہیں ہوں
۶ اگر رنج گلوگیر کی تشنگی کو انسو تسکین دے سکتے تو میں آنکھوں سے سمندر بہا سکتا تھا۔
۷ لیکن آتش غم کی تائید گریہ سے ہوتی ہی اور میرے دل پر سوزش اور بھڑک زیادہ ہوتی ہی
۸ غم کی آگ کا ایندہن اعضاے داخلی ہیں اور آنسو تیل کا کام دیتے ہیں جو اوپر سے بوند بوند ٹپکائے جاتے ہیں
۹ تو اپنے پیچھے اپنی ماں کو چھوڑ گیا ہی جس کے ضعف کی کوئی انتہا نہیں وہ مریض مزمن ہی اس میں آہ بھرنے کی بھی طاقت نہیں ہی
۱۰ اس میں سوا رمق کے کچھ باقی نہیں رہا اُس کی ہڈیاں گوشت سے خالی ہوگئی ہیں۔ جدائی کا صدمہ تو اس ایسا ڈال گیا ہی گویا کہ ایک چیونٹی کو تو نے تکلیف دی ہی کہ وہ کوہ شہ کو اٹھائے

تاریخ وفات والدہ مولوی بشیر الدین احمد

(نمبر نظم ۵)

ماتت وفجعت القلوب بموتها — عظم المصاب و کو منا یوم عسیر
من للعفاة و للارامل بعدها — صرعی کما اعجاز نخل منقعر
ولنصبرن علی الفراق لعلمنا — ان الممات بکل حی قد قدر
وطلبت عام وفاتها فی جملة — فسمعت باکیة تقول لها غفر

ذیل کا قصیدہ بتقریب تشریف آوری شاہ افغانستان موالثانی نمبر حمایت الاسلام ۱۹۲۸ء کے لئے لکھا

(نمبر نظم ۶)

جمعت فیک التقی والملک والادبا — واللہ انا نری فی شانک العجبا
ذکرتنا الخلفاء الراشدین فدم — علی الہدی واتبع منہا جہم رغبا
انا لفی زمن فی اہلہ خبل — لا یحسنون اکتساب العلم والطلبا

مرگئیں اور بہت سے دلوں کو اپنے مرنے سے دردمند کر دیا ان کا مرنا بڑی مصیبت ہے اور ہمارا آج کا دن
ان کے بعد سائلین اور بیوگان کے لئے کون برداشت کنندہ ہے کہ یہ لوگ ایسے بچھڑے پڑے ہیں جیسے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے
ہم جدائی پر ضرور صبر کریں گے کیوں کہ ہم کو معلوم ہے کہ ہر زندہ کے لئے موت مقدر ہے
اور میں نے ان کی وفات کا برس ایک جملہ میں طلب کیا تو میں نے کسی رونے والی کو سنا کہ وہ کہتی تھی کہا غفر (ان کی تو
تم نے اپنی ذات میں پرہیز گاری اور سلطنت اور ادب کو جمع کر رکھا ہے بخدا ہم تم میں یہ عجیب بات دیکھتے ہیں
تم نے ہمیں خلفائے راشدین کو یاد دلا دیا تو ہمیشہ راہ راست پر قائم رہو اور بطیب خاطر ان ہی کے طریق کی پیروی کرو
ہم ایسے زمانے میں ہیں کہ اہل زمانہ میں فساد عقل ہے نہ علم اچھی طرح حاصل کرتے ہیں نہ اس کو طلب کرتے ہیں۔

لا سیما المسلمون الغافلون لہم | یرجون اجرا ولا یقضون ما وجبا
الدہر ذو حول والمرء مرتہن | یجزی سواء بما الغی وما کسبا
اللہ قدر فی الدنیا بحکمتہ | لکل واقعۃ او حادث سببا
الامر والحکم ایام مداولۃ | بین الخلائق والدنیا لمن غلبا
الحرب ترفع اقواما وتخفضہم | وان للناس فی تسلیطہم نوبا
اما الحدید فقد زالت مہابتہ | کن حامل السیف او من یحمل الخشبا
لا یعصمنک من ضرب البنادق لا | وان تطبقت تحت الجوشن الیلبا
فالعلم فی عصرنا اشتدت سواعدہ | وعن ان لنا فی جمعہ اربا
وربنا اللہ لا تحصی مواہبہ | والعلم اکبر ما اعطی وما وہبا
بالعلم کرمنا والعقل فضلنا | لولاہما للقینا الکد والنصبا
کل یرید علوا الا یلیق بہ | فان فی العلم سرا کان محتجبا

خاصکر مسلمان غافل ہیں مزدوری کے امیدوار اور کار واجب کو ادا نہیں کرتے
زمانہ حیلہ باز ہی اور آدمی اعمال میں گرو ہی اس کو برابر بدلہ دیا جائے گا جو ضائع کیا اور جو کمایا
اللہ تعالی نے دنیا میں اپنی حکمت سے ہر واقعے اور حادثے کا ایک سبب قرار دیا ہی۔
حکومت اور سلطنت لوگوں میں دنوں کے ہیر پھیر ہیں اور دنیا اُس کی ہی جو غلبہ پائے
لڑائی بعض کو بلند کرتی ہی اور بعض کو پست اور لوگوں کو اُن کے مسلط کرنے میں باری ہی
لوہے کی تو ہیبت جاتی رہی تلوار کا اُٹھانے والا اور لکڑی کا اُٹھانے والا دونوں برابر
بندوق کی زد سے تم کو لوہا نہیں بچا سکتا اگرچہ تہ بتہ زرہیں پہن لو۔
اب علم کا بازو ہمارے زمانے میں قوی ہی اب ہم پر ظاہر ہو گیا ہی کہ ہم علم کے محتاج ہیں
اللہ تعالی کی بخششوں کا شمار نہیں ہو سکتا اور جو کچھ خدا نے دیا ہی اُن میں علم سب سے بڑی نعمت ہی
خدا نے ہم کو علم اور عقل کے ذریعہ سے فضیلت دی اگر یہ دو چیزیں نہ ہوں تو ہم کو بڑی مصیبت اُٹھانی پڑے

المترفون هم الفساق اكثرهم — يبذرون تلاد المال والنشبا
ان ينتهوا انتهوا عن سوء فعلهم — للعجز والضعف لا خوفا ولا رهبا
اخلاف قوم علوا في الارض رتبا — وآمنوا بنبي شرف العربا
ضلوا طريق الهدى والدين قد نبذوا — وراءهم فاستحقوا المقت والغضبا
تصعلك القوم حتى لا معاش لنا — الا كفافا فاذا لم ننله دابا
الجهل فقر وداء لا شفاء له — ولا نهاية الا الموت والعطبا
بالفقر والذل دنيانا مكدرة — والدين فينا ينادي الويل والحربا
حاجاتنا في طلاب العلم اولها — نبغي مكانا رباطا مسجدا رحبا
ويرحم الله عبدا بارا سمحا — للمسلمين اخا للطالبين ابا

خوش حال لوگ ہی اکثر بدکار ہیں، مالِ موروثی اور بزرگوں کے ذخیرے میں اسراف کرتے ہیں
اگر یہ اپنی بدکاری سے باز ہیں تو کمزوری اور عجز کے سبب سے نہ ڈر سے
یہ ان لوگوں کے خلف ہیں جو زمین میں بلند مرتبہ حاصل کر چکے ہیں اور اس پیغمبر پر ایمان لائے ہیں جن کی وجہ سے عرب شریف ہوا ہے
خلاف راہ راست کے بھٹک گئے ہیں اور دین کو پس پشت پھینک دیا ہے پس وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے
قوم مفلس ہو گئی یہاں تک کہ اب ہمارے واسطے کوئی معاش نہیں مگر بقدر سد رمق وہ بھی بشرطیکہ ہم کوشش میں
جہالت محتاجی ہے اور ایسی بیماری ہے جس کو شفا نہیں اور موت اور ہلاکت کے سوائے اس کا کچھ انجام نہیں
مفلسی اور ذلت کی وجہ سے ہماری دنیا مکدر ہے اور دین ہم میں باواز بلند پکار رہا ہے کہ ہائے میں لٹ گیا۔
طلب علم میں ہماری حاجتوں میں سے اول یہ ہے کہ ہم کو ایک مکان چاہیے اور بورڈنگ ہاؤس اور وسیع مسجد
خدا اس بندے پر رحم کرے جو نیک اور سخی ہو مسلمانوں کا بھائی اور طالب علموں کا باپ

ذیل کے اشعار ایک عجیب اتفاق کے ساتھ مولانا کے قلم سے نکلے ہیں مشن کالج دہلی میں تقسیم انعامات کا عظیم الشان جلسہ تھا عمائد شہر اور حکام ضلع مدعو تھے یہاں تک کہ کلکتہ کے لارڈ بشپ صاحب نے بھی اپنی شرکت سے جلسے کو رونق دی تھی کالج کا ایک طالب العلم جو بی اے میں پڑھتا تھا عرب کے نامور شاعر ابو العتاہیہ کے چند اشعار مولانا کے پاس لایا

[illegible]
[illegible]
[illegible]

لا یزیدها ربک الا عمل حتی یقضی فی الاجل

ترجمہ

الله قدّر فی الازل — ان لا نجاۃ بلا عمل
الشمس لیس بدائم — والشیخ قد سبق الامل
والدهر لیس بخالد — والعیش امر مختصر
کن حیث شئت من الارض — [illegible]
[illegible] — [illegible]
ان الدنیا [illegible] — [illegible]
[illegible] — والموت [illegible]
[illegible] — ولا [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

المُبتلٰی بعلائقِ الدُّ	نیا حمارٌ فِی الوحل
الصَّبرُ مفتاحُ الفرج	والحلمُ اوقرُ من جبل
من جاءَ بالحسنیٰ فلا	خوفٌ علیہ ولا وجل
لا تؤذِ نفسًا فی الوریٰ	وارفق بھم ثمّ اجمل

جو شخص دنیا کے تعلقات میں مبتلا ہے وہ گدھا ہے جو دلدل میں پھنسا ہوا ہے

صبر کشادگی کی کنجی ہے اور بردباری پہاڑ سے زیادہ باوقار ہے

جو شخص نیک کام لے کر آئے اُس پر نہ کچھ خوف ہے نہ ہراس

کسی شخص کو دنیا میں ایذا نہ دو۔ اور اُن کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔

متفرقات

دہلی میں شاہ افغانستان کی تشریف آوری کے موقع پر ذیل کے دو شعر مولٰنا نے اپنے ایک دوست کو دوکان پر آویزاں کرنے کے لیے فی البدیہہ کہدیئے۔

بارکَ اللّٰہُ فِی السّراجِ المنیر۔ صاحبِ الامرِ ما لہٗ من نظیر
انتَ احییتَ دینَ احمدَ والملّۃَ فالدّھرُ صار خیرَ الدُّھور

چراغ روشن صاحب حکومت میں خدا برکت دے جس کی کوئی نظیر نہیں

تم نے دین احمد اور شریعت کو زندہ کردیا پس یہ زمانہ بہترین زمانہ ہے

گورکھپور میں مفتی اسد اللہ خان صاحب صدر الصدور تھے اور ہمارے مولٰنا ڈپٹی کلکٹر جون پور میں مفتی صاحب کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ مولٰنا نے قصیدۂ تعزیت لکھا صرف ایک شعر ہمکو دستیاب ہوا ہے وہ یہ ہے۔

فواللّٰہِ انّی لن سمعتُ وفاتھا	تبیّنتُ دُنیا ما اقلَّ ثباتُھا

بخدا جب سے میں نے اُن کا مرنا سنا اپنی آنکھوں دیکھ لیا کہ دنیا بھی بڑی بے ثبات جگہ ہے۔

بمبئی کے بعد مدراس میں ایجوکیشنل کانفرس ہونے کو تھا۔ مولٰنا کو بھی بلایا تھا مولٰنا نے عربی نظم تیار کی اور لکچر بھی۔ کسی وجہ سے جانا نہیں ہوا۔ نظم اور لکچر دونوں ضائع صرف ایک مطلع درج ذیل کیا جاتا ہی

إنّي أُسائلُكم يا أهلَ مدراس　　هل فيكم لِسقامِ الفقرِ من آسٍ

ای اہل مدراس میں تم سے پوچھنے کو ہوں کہ تم میں سے کسی کے پاس مرض افلاس کی بھی دوا ہی

ان شعر عشق بازی کے خلاف میں جملہ طویل نظم کے ہم کو ملے ہیں باقی خدا معلوم کہاں ہوں گے

لا تحومنّ حولَ دورِ الحِسانِ　　إنّها من حبائلِ الشّيطانِ

كيفَ تُرجى الخلاصُ من حدقٍ　　نجلٍ ومن شباكِ الجفانِ

ثمّ من جنسِها ذوائبُ سودٌ　　شَرَكٌ لا مناصَ منه لعانٍ

خوبصورت عورتوں کے گھروں کے آس پاس مت گھوما کرو کیونکہ وہ دام شیطان ہیں بڑی بڑی آنکھوں کے جال سے کیوں کر نجات کی امید ہو سکتی ہی اور اسی طرح بلکہ اس جال اور اسی قسم کی کالی زلفیں کہ یہ بھی ایک جال ہیں کہ جن کے گرفتار کو چھٹکارا نہیں۔

امیر حبیب اللہ خاں والی کابل نے عید ضحیٰ کے دن ڈپٹی کمشنر کی معرفت رؤسائے دہلی کو ملاقات کے لئے بلایا تھا۔ ان میں ہمارے مولٰنا بھی تھے۔ مولٰنا نے امیر سے آنکھیں دوچار ہوتے ہی متنبی کا یہ شعر فی البدیہہ پڑھا وہ شعر یہ تھا

عيدٌ وعيدٌ وعيدٌ صرنَ مجتمعه　　وجهُ الحبيبِ ويومُ العيدِ والجمعه

آج تین عید ہی حبیب کا منھ۔ اور عید کا دن اور جمعہ

تمام شد

موازنہ داغ و امیر

مو[illegible]یں صدی کے دو نامور اور مشہور شاعر فصیح الملک داغ دہلوی اور منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے کلام کا موازنہ بڑی خوبی اسلوبی سے کیا گیا ہے۔ چونکہ مؤلف موازنہ داغ و امیر کسی کا شاگرد نہیں ہے اس لئے موازنہ کرتے وقت کسی کی بے جا پاسداری نہیں کی۔ مؤلف کی عینک میں ایمان و انصاف کی تالیں جڑی ہوئی ہیں۔ وہ ان دونوں شاعروں کو اُسی عینک سے دیکھا ہے۔

موازنہ کے ٹائیٹل پیج کے بعد دوسرے ورق پر داغ و امیر کے فوٹو ہیں۔ فوٹو کے اوپر مؤلف نے دو ایسے جامع و مانع لفظ داغ و امیر کی شاعری کی نسبت لکھے ہیں جو بلہم غیبی نے ان دونوں شاعروں کے متعلق تجویز فرمائے ہیں تحت فوٹو میں دونوں شاعروں کے اسم و القاب ہیں۔

غرض یہ موازنہ لایق دید ہے جن صاحبوں کی درخواستیں قبل طبع آئیں گی اُن کے ساتھ محصول ڈاک کی رعایت کی جائے گی۔

قیمت فی جلد ... ۱۲/ آنہ

المشتہر

سید افتخار عالم مارہرہ ضلع ایٹہ۔ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ